ضبط نفس اور نفس پرستی

از

مہاتما گاندھی

مترجمہ

ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی

ناظم اردو اکادمی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

شائع کردہ

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

۱۹۳۴ء

تجلی برقی پریس دہلی

طبع اول

فہرست مضامین



تیسرے ایڈیشن کا دیباچہ

خوشی کی بات ہے کہ لوگ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن کا مطالبہ کر رہے ہیں کاش مجھے اتنی فرصت ہوتی کہ میں اسمیں دو ایک باب بڑھا سکتا مگر اس اضافہ کی خاطر کتاب کی اشاعت میں دیر نہیں کی جا سکتی یہ اسی صورت میں ہو سکتا تھا جب مجھے یقین ہوتا کہ جتنی فرصت اس کام کے لیے چاہیے وہ میسر آجائے گی۔

البتہ جو خطوط سوال کرنے والوں کے میرے پاس آتے رہتے ہیں ان سے ایک بات معلوم ہوئی ہے جسکی بناء پر میں لوگوں کو متنبہ کیے دیتا ہوں کہ اگر آپ ضبط نفس کے قائل ہیں تو اس کے معنی یہ نہیں کہ مالیخولیا میں مبتلا ہو جائیے۔ لوگوں کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں سے بہت سے ضبط نفس کی کوشش میں ناکامیاب ہونے پر کڑھا کرتے ہیں۔ اور سب اچھی چیزوں کی طرح ضبط نفس کے حاصل کرنے کے لیے بھی انتہائی صبر کی ضرورت ہے۔ مایوسی کی مطلق کوئی وجہ نہیں اور کڑھنا نہیں چاہیئے فاسد خیالات کو دل سے نکالنے کی شعوری کوشش نہ کیجیے یہ تو خود ایک طرح کی لذت نفس ہے۔

غالباً سب سے بہتر تدبیر عدم مزاحمت ہے یعنی فاسد خیالات کی طرف توجہ نہ کرنا اور ہر وقت اپنے فرائض میں محو رہنا اس میں یہ شرط ہے کہ کوئی ایسی خدمت ہو جس میں انسان بالکل ڈوب جائے اور دل و جان سے اسی کا ہو رہے یہ مثل یہاں صادق آتی ہے "بیکاری میں ہمیشہ بُرائی سوجھتی ہے"

جو شخص کسی کام میں محو رہیگا اس کے دل میں بُرے خیالات آنا محال ہے اور اُس سے بُرے کام سرزد ہونا ناممکن ہے۔ چنانچہ اپنی اپنی بساط کے مطابق شدید محنت کرنا ان لوگوں کے لیے نہایت ضروری ہے جو ضبط نفس کے قانون پر عمل کرنا چاہتے ہیں، وہ قانون جو فرد اور جماعت دونوں کی ترقی کے لیے ناگزیر ہے۔

ستیاگرہ آشرم

سابرمتی

۳ر اگست ۱۹۲۸ء

م۔ک۔ گاندھی

دوسرے ایڈیشن کا دیباچہ

مجھے بڑی خوشی ہے کہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن چند ہفتے کے اندر ہاتھوں ہاتھ نکل گیا جو مضامین اس میں جمع کیے گئے ہیں اُن کے متعلق بہت سے لوگوں سے خط و کتابت ہوئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس قسم کی کتاب کی ضرورت ہے۔ خدا کرے ان لوگوں کو اس کے مطالعے سے تھوڑی بہت مدد ملے جنھوں نے لذت نفس کی پیروی کو اپنا دین و ایمان نہیں بنا لیا ہے بلکہ کھوئے ہوئے ضبط نفس کو جو طبعی حالات میں ہمارے لیے ایک قدرتی چیز ہونا چاہیئے تھی حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہے ہیں اُن کی رہنمائی کے لیے ذیل کی ہدایتیں مفید ثابت ہونگی

(۱) اگر تمھاری شادی ہوگئی ہے تو یاد رکھو کہ بیوی محض شہوت رانی کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ تمھاری دوست، مونس و غمخوار اور رفیق کار ہے

(۲) ضبط نفس تمہاری زندگی کا قانون ہے۔ اس لیے مباشرت اسی وقت کرنا چاہیئے جب طرفین کی خواہش ہو اور وہ بھی ان شرائط کے ماتحت جو پہلے سے وضاحت کے ساتھ طے ہو چکی ہوں۔

(۳) اگر تمھاری شادی نہیں ہوئی ہے تو تم پر خود اپنی طرف سے، معاشرے کی طرف سے اور تمھاری آئندہ بیوی کی طرف سے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ پاکدامن رہو۔ اگر تم یہ وفاداری کا جذبہ اپنے دل میں پیدا کرلو۔ تو ہر قسم کی تحریصات سے محفوظ رہوگے۔

(۴) اس ان دیکھی قوت کا ہمیشہ دھیان رکھو جو ہمیں نظر تو نہیں آسکتی لیکن جسے ہم اپنے اندر محسوس کرتے ہیں جو ہمارے فاسد خیال سے واقف ہوجاتی ہے۔ تم دیکھوگے کہ یہ قوت ہمیشہ تمھاری مدد کریگی۔

(۵) ضبط نفس کی زندگی کے قوانین لازمی طور پر لذت نفس کی زندگی سے مختلف ہونا چاہئیں اس لیے تمھیں اپنی صحبت، اپنی کتب بینی، اپنی تفریح کے مشاغل اور اپنی غذا کو خاص اصول کے مطابق رکھنا چاہیئے نیکوں اور پاکدامنوں کی صحبت میں بیٹھو۔

مضبوطی سے ارادہ کرلو کہ شہوت انگیز ناول اور رسالے کبھی نہ پڑھوگے ان کتابوں کا مطالعہ کرو جو نوع انسانی کی بقا میں مدد دیتی ہیں ایک کتاب کو ہدایت اور رہنمائی کی غرض سے اپنا دائمی رفیق بنالو

تھیٹر اور سنیما سے دور رہو۔ تفریح وہ ہے جس میں طبیعت کو انتشار نہ ہو بلکہ تازگی اور تقویت حاصل ہو اس لیے بھجن منڈلیوں میں شریک ہوا کرو۔ الفاظ اور نغمے دونوں سے روح بالیدہ ہوتی ہے۔

کھانا زبان کے چٹخارے کیلئے نہیں بلکہ اشتہا کو تسکین دینے کے لیے کھاؤ لذت نفس کا طالب کھانے کیلئے جیتا ہے ضبط نفس کا عامل جینے کے لیے کھاتا ہے۔ ہر طرح کے تیز مسالوں سے۔ شراب سے جو اعصاب میں ہیجان پیدا کرتی ہے مخدرات سے جو نیکی اور بدی کی حس کو معطل کر دیتے ہیں۔ پرہیز کرو۔ اپنے کھانے کی مقدار اور اوقات مقرر کرلو اور اُن کی پابندی کرو۔

(۶) جب یہ اندیشہ ہو کہ خواہش نفس تمہیں مغلوب کر دے گی تو گھٹنوں کے بل جھک جاؤ اور گڑگڑا کر خدا سے مدد مانگو۔ میرے لیے تو رام نام وہ تائید غیبی ہے جو کبھی خطا نہیں کرتی خارجی تدبیر کے طور پر کمر کا غسل کرلیا کرو یعنی ٹھنڈے پانی کے ٹب میں اس طرح بیٹھ جایا کرو کہ پیر باہر نکلے رہا کریں تم دیکھو گے کہ خواہش نفس کا ہیجان فوراً کم ہو جائے گا اگر تم اتنے کمزور نہیں ہو کہ سردی کھا جانے کا اندیشہ ہے جو چند منٹ تک اسی طرح بیٹھے رہو۔

(۷) صبح تڑکے اور رات کو سونے سے قبل کھلی ہوا میں تیز رفتار سے ٹہلا کرو۔

(۸) "جو سویرے سوئے اور سویرے اٹھ جائے وہ صحت، دولت اور عقل پائے" بڑی سچی مثل ہے نو بجے سونے اور چار بجے اٹھنے کا معمول کرلیا جائے۔ سوتے وقت معدہ خالی ہونا چاہیئے اس لیے اپنا آخری کھانا چھ بجے شام سے پہلے ہی کھالیا کرو

(۹) یہ یاد رکھو کہ انسان نائب خدا ہے اور اس کا کام یہ ہے کہ جتنے جاندار ہیں سب کی خدمت کرے اور اس طرح سے خداوند تعالیٰ کی عظمت اور رحمت کا سکہ بٹھائے تم صرف خدمت کو اپنی راحت و مسرت کا سرمایہ بنالو تو تمھیں کسی اور لذت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

م ۔ ک ۔ گاندھی

پہلا باب

اخلاقی دیوالے کے آثار

(۱)

میرے کرم فرما مجھے برابر ہندوستانی اخباروں کے تراشے[1] بھیجتے رہتے ہیں جن میں منع حمل[2] کی تدبیروں سے انضباط ولادت[3] کی حمایت کی جاتی ہے۔ میں نوجوانوں سے ان کے خانگی معاملات کے متعلق خط وکتابت کر رہا ہوں اور اس کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے مجھے خط لکھنے والوں نے بیشمار مسئلے چھیڑ رکھے ہیں ان میں سے صرف چند ہی باتوں سے بحث کرنے کی ان صفحات میں گنجائش ہے۔ امریکی دوست مجھے اس موضوع کے متعلق کتابیں اور مضامین بھیج رہے ہیں اور ان میں سے بعض تو مجھ سے اس بات پر خفا بھی ہو گئے ہیں کہ میں نے منع حمل کی تدبیروں سے کام لینے کی مخالفت کی۔ وہ افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ بعض باتوں میں ترقی پسند رفارمر ہونے کے باوجود میں انضباط ولادت کے معاملے میں دقیانوسی خیالات رکھتا ہوں۔

اس سے مجھے یہ خیال ہوا کہ ان تدبیروں کے حق میں ضرور کوئی قطعی اور حتمی دلیل ہوگی اور

---

[1] cuttings اخبار کے وہ حصے جن میں کوئی خاص دلچسپ مضامین یا خبریں ہوں اور وہ تراش کر الگ کر لئے جائیں

[2] contraception حمل قرار پانے کو روکنا

[3] Birth Control ضرورت سے زیادہ اولاد نہ ہونے دینا

میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ میں نے اس موضوع کے متعلق اب تک جو کچھ کہا ہے اس سے زیادہ
کہنے کی ضرورت ہے۔ اس فکر میں تھا کہ جو کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں انھیں پڑھوں کہ کسی
شخص نے مجھے ایک کتاب "اخلاقی دیوالے کے آثار" لا کر دی۔ اس کتاب میں اسی مضمون کی
بحث ہے اور میرے خیال میں بالکل علمی طریقے سے اس پر نظر ڈالی گئی ہے۔ اصل میں یہ کتاب موسیو
پال بورو نے فرانسیسی زبان میں لکھی ہے اور اس کا نام D. Indiscipline des Moeurs
ہے جس کے لفظی معنی ہیں "اخلاق کی بدنظمی" انگریزی میں اس کا ترجمہ کانسٹیبل کمپنی نے شائع
کیا ہے اور میری شارلیب سی بی ای ایم ڈی ایم ایس (لندن) نے مقدمہ لکھا ہے اس میں
پندرہ باب ہیں اور کل حجم ۵۳۸ صفحے ہے۔

اس کتاب کو پڑھنے کے بعد میں نے دل میں یہ سوچا کہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ مصنف کے خیالات
کا خلاصہ بیان کرنے سے پہلے مجھے چند مستند کتابیں منع حمل کے مجوزہ طریقوں کی حمایت میں بھی
پڑھنی چاہئیں اس لئے میں نے انجمن خدام ہند[1] کے کتب خانہ سے اس موضوع کی کل کتابیں
جو وہاں موجود تھیں لے کر پڑھیں۔ کاکا کلیلکر نے جو اس مضمون کا مطالعہ کر رہے ہیں مجھے ہیولاک
ایلس کی کتابیں دیں جو خاص اسی مسئلے کے متعلق ہیں اور ایک دوست نے رسالہ طبیب[2] کا
ایک خاص نمبر بھیجا جس میں مشہور طبیبوں کی قیمتی رائیں جمع کی گئی ہیں۔

میرا مقصد اس مضمون کے متعلق کل مطبوعات جمع کرنے سے یہ تھا کہ جہاں تک ایک ایسے
شخص کے لیے جو خود طبیب نہیں ہے ممکن ہے موسیو بورو کے نتائج کی صحت کو جانچوں اکثر
یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ہر مسئلے میں خواہ اس پر خود سائنس والوں نے بحث کی ہو۔ تصویر کے
دو رخ ہوا کرتے ہیں اور دونوں کی حمایت میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے اس لیے مجھے

---

[1] Servants of India Society

[2] The practitioner

ٹھیک سمجھی کہ موسیو بورو کی کتاب کا تعارف ناظرین سے کرانے سے پہلے منع حمل کے حامیوں کے خیالات سے واقفیت حاصل کروں۔ میں اچھی طرح سوچ سمجھ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کم سے کم ہندوستان میں منع حمل کے طریقے استعمال کرنے کے حق میں کوئی معقول دلیل پیش نہیں کی جا سکتی لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ خود مغرب کے لئے یہ طریقے مضر ہیں تو ہندوستان کے مخصوص حالات پر غور کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہتی ۔

آئیے اب یہ دیکھیں کہ موسیو بورو کیا کہتے ہیں۔ ان کا مطالعہ فرانس کا محدود ہے لیکن فرانس کی اہمیت کچھ کم نہیں ہے اس کا شمار دنیا کے بڑے ترقی یافتہ ملکوں میں ہوتا ہے اس لئے اگر یہ طریقے فرانس میں ناکام ہوئے تو کسی اور جگہ ان کا کامیاب ہونا قرین قیاس نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ اس بات میں اختلاف رائے ہو کہ ناکامی کسے کہتے ہیں اس لئے یہ ضروری ہے کہ میں نے اسے جس معنی میں استعمال کیا ہے اسے وضاحت سے بیان کر دوں۔ منع حمل کے ذریعوں کی ناکامی اس وقت ثابت ہوگی جب یہ دکھایا جا سکے کہ ان کی بدولت اخلاقی رشتے کمزور ہو گئے ہیں، عیاشی بڑھ گئی ہے، مردوں اور عورتوں نے حمل کے روکنے میں صرف صحت کو اور اولاد کی تعداد محدود کرنے کی اقتصادی مصلحت کو مد نظر نہیں رکھا بلکہ زیادہ تر اس سے اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کا کام لیا۔ یہ اعتدال پسندوں کا خیال ہے۔ انتہا پسند حامیان اخلاق کے نزدیک منع حمل کی تدابیر کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ مرد یا عورت کے لئے جنسی جبلت[1] کو تسکین دینا صرف اسی قدر ضروری ہے جب اس کا مقصد اولاد پیدا کرنا ہو جس طرح کھانا کھانا صرف زندگی کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ ان دونوں کے علاوہ ایک تیسرا نقطۂ نظر بھی ہے۔ ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ اخلاق کوئی چیز نہیں اور اگر ہے بھی تو اس کا مقتضا ضبط نفس نہیں بلکہ ہر نفسانی خواہش کو اس حد تک پورا کرنا ہے کہ جسم کو

---

[1] جذبۂ شہوت sexual instinct

ایسا ضرر نہ پہنچ نہ جائے کہ وہ حظ نفس کے قابل نہ رہے جو اصل مقصد ہے اس خیال کے لوگوں کے لیے میرے نزدیک موسیو بورو نے اپنی کتاب نہیں لکھی ہے کیونکہ وہ اس کا خاتمہ ٹام مین کے اس قول پر کرتے ہیں "مستقبل ان قوموں کے ہاتھ ہے جو پاک دامن ہیں"

اس کتاب کے پہلے حصے میں موسیو بورو نے بہت سے واقعات جمع کردئے ہیں جنھیں پڑھ کر سخت رنج ہوتا ہے اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ کس طرح فرانس میں بڑے زبردست کاروبار قائم ہوگئے ہیں جن کا کام محض یہ ہے کہ انسان کے ادنیٰ ترین جذبات کی تسکین میں مدد دیں۔ منع حمل کے حامیوں کا یہ کہنا کہ جو ایک دعویٰ ہے کہ ان طریقوں کے استعمال ہونے سے اسقاط کے واقعات کم ہوجائیں گے وہ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ موسیو بورو کہتے ہیں "یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس پچیس سال کے عرصے میں جب کہ فرانس میں منع حمل کے طریقوں کا خاص طور پر زور رہا ہے مجرمانہ اسقاط حمل کی وارداتیں کم نہیں ہوئی ہیں" بلکہ ان کا تو یہ خیال ہے کہ یہ وارداتیں بڑھتی جاتی ہیں۔ ان کا اندازہ ہے کہ ان کی تعداد ہر سال ۲۷۵۰۰۰ اور ۳۲۵۰۰۰ کے درمیان ہوتی ہے۔ رائے عامہ اب ان کی طرف سے اس قدر کراہت کا اظہار نہیں کرتی جتنا کچھ سال پہلے کیا کرتی تھی۔

(۲)

موسیو بورو فرماتے ہیں "اسقاط کے بعد بچوں کے قتل، محرمات کے ساتھ بدکاری اور اسی قسم کے دوسرے جرائم تک نوبت پہنچتی ہے جو فطرت انسانی کے لیے باعث ننگ ہیں بچوں کے قتل کے بارے میں صرف اتنا کہنا ہے کہ باوجود ان سہولتوں کے جو بن بیاہی جاؤں کو دی جاتی ہیں اور باوجود منع حمل اور اسقاط کی کثرت کے یہ جرم پہلے کے مقابلے میں بڑھ گیا ہے۔ جو لوگ "بھلے مانس" کہلاتے ہیں ان کی طرف سے اب اس پر اس قدر لعنت ملامت نہیں ہوتی

Tom Mann [ٹام مین]

اور جوری اس کے ملزموں کو عموماً بری کر دیتی ہے۔

موسیو بورو نے کتاب کی ایک پوری فصل میں فحش نگاری سے بحث کی ہے۔ وہ اس تعریف یوں کرتے ہیں "ان وسائل سے جو ادب، ڈراما اور تصویر انسانوں کی تفریح طبع اور سکون قلب کے فراہم کرتی ہے گندے اور شہوت پرستانہ مقاصد میں کام لینا" آگے چل کر وہ کہتے ہیں "اس کاروبار کی ہر شاخ کو وہ گرم بازاری حاصل ہوئی ہے جس کا اندازہ ڈائرکٹروں کی قابلیت، تجارتی تنظیم کے کمال، سرمایہ کی فراوانی اور طریق کار کی بے نظیر خوبی کو دیکھ کر ہو سکتا ہے۔" "اس کے اثرات اس قدر قوی اور عجیب و غریب ہیں کہ انھوں نے انسان کی ساری نفسی زندگی کو متاثر کر دیا ہے" اور "اصلی زندگی کے ساتھ ایک اور شہوانی زندگی جس کا وجود صرف تخیل میں ہے پیدا ہو گئی ہے" اس کے بعد موسیو بورو نے موسیو روئین سے یہ دردناک عبارت نقل کی ہے۔

" وہ کتابیں جن میں شہوانی جذبات اور شہوانی مظالم کا ذکر ہوتا ہے نفسی قانون کے ذریعے سے بے شمار ناظرین پر نہایت قوی ترغیب کا اثر ڈالتی ہیں اور ان کی کثرت اشاعت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنے تخیل میں ایک دوسری شہوانی زندگی بسر کرتے ہیں ان کی تعداد کا کچھ ٹھکانا نہیں (علاوہ ان بے چاروں کے جو پاگل خانوں میں بند ہیں) خصوصاً اس زمانے میں جب اخباروں اور کتابوں کے غلط استعمال سے ہر شخص کے نفس کے گرد بقول وجیمس کے "متعدد ضمنی کائناتیں" پیدا ہو جاتی ہیں جن میں ہر شخص اپنے آپ کو محو کر دیتا اور اپنے ساتھ اپنے موجودہ فرائض کو بھی بھول جاتا ہے۔

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ سب مہلک نتائج براہ راست ایک بنیادی غلطی سے پیدا ہوتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ شہوانی خواہش کا پورا کرنا بجائے خود انسانی ضروریات میں داخل ہے اور بغیر اس کے نہ مرد کی نشو و نما مکمل ہوتی ہے نہ عورت کی؛ جہاں انسان کے دل میں یہ خیال بیٹھا اور وہ اس چیز کو جسے پہلے بدی

سمجھتا تھا نیکی سمجھنے لگا پھر ان تدبیروں کی کوئی انتہا نہیں رہتی جن سے شہوانی جذبہ اُبھرتا ہے۔ اور اسے تسکین دینے میں مدد ملتی ہے۔

اس کے بعد موسیو بورو حوالوں اور مثالوں کے ذریعے سے یہ دکھاتے ہیں کہ کس طرح روزانہ اخباروں، رسالوں، ناولوں، تصویروں اور تھیٹر کے ذریعے سے اس ناپاک شاق کی تسکین کا روز افزوں سامان ہوتا ہے۔

اب تک غیر شادی شدہ لوگوں کے اخلاقی انحطاط کا ذکر تھا اس کے بعد موسیو بورو ان اخلاقی بے عنوانیوں کا ذکر کرتے ہیں جو شادی کے بعد ہوتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں "امرا متوسط طبقے اور کسانوں میں بہت سی شادیاں دولت کی حرص اور عزت کی ہوس پر مبنی ہوتی ہیں شادی اس غرض سے بھی کی جاتی ہے کہ کوئی عہدہ مل جائے جائداد یں خصوصاً دو زمینداریاں اکٹھی ہو جائیں وہ تعلق جو پہلے سے ہی قانونی شکل اختیار کرنے ناجائز اولاد جائز قرار پا جائے۔ گٹھیا کے مریض کو بڑھاپے میں دل و جان سے خدمت کرنے والی مل جائے۔ فوجی بھرتی کے وقت انسان اپنے تعین کا مقام منتخب کر سکے بلکہ کبھی اس لیے بھی کہ عیاشی کی زندگی جس سے انسان کا جی سیر ہو جاتا ہے ختم ہو جائے اور ایک دوسری قسم کی شہوانی زندگی اس کی جگہ اختیار کی جاسکے"

اس کے بعد موسیو بورو اعداد و شمار سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان شادیوں سے عیاشی کم ہو جانے کے بجائے بڑھ جاتی ہے ان ذلت و خواری کو ان آلات سے بہت مدد ملی ہے جو سائنس یا مکانک کی ایجادات کہلاتے ہیں اس غرض سے بنائے گئے ہیں کہ جماع کے فعل کو روکے بغیر اس کے اثرات کو محدود کر دیں۔ میں ان افسوسناک عبارتوں کو چھوڑتا ہوں جن زنا کی زیادتی کا ذکر اور طلاق اور قانونی علیحدگیٰ کے حیرت انگیز اعداد و شمار ہیں جن کی تعداد پچھلے

Judicial seperation ء عدالت کا فیصلہ جس کی رو سے میاں بیوی بغیر طلاق کے ایک دوسرے

بیس سال میں دگنی سے زیادہ ہوگئی ہے میں اس بے روک آزادی کی طرف بھی صرف سرسری اشارے پر اکتفا کرتا ہوں جو" دونوں صنفوں کے لئے یکساں معیار اخلاق" کے اصول پر عورتوں کو نفس پرستی کے لئے دیدی گئی ہے۔ منع حمل اور اسقاط کے طریقوں کے درجۂ کمال پر پہنچ جانے سے دونوں جنسیں اخلاقی قیود سے آزاد ہوگئی ہیں ایسی حالت میں لوگ خود شادی کا مضحکہ اڑاتے ہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ مندرجہ ذیل عبارت موسیو بورو نے ایک مصنف سے نقل کی ہے جس کی کتابیں عوام میں مقبول ہیں "میری رائے میں شادی ہمیشہ ایک نہایت وحشیانہ رسم ہے۔ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں کہ اگر نسل انسانی عقل و انصاف میں کچھ ترقی کرے گی تو یہ رسم موقوف کردی جائے گی .... لیکن مرد اتنے ناشائستہ ہیں اور عورتیں اتنی بزدل ہیں کہ جس قانون کی ان پر حکومت ہے اس سے برتر قانون کا مطالبہ نہیں کر سکتے" موسیو بورو نے ان افعال پر جن کا ذکر آچکا ہے اور ان نظریوں پر جن کی رو سے یہ جائز ثابت کئے جاتے ہیں تفصیل سے نظر ڈالی ہے وہ جوش میں آکر چلا اٹھتے ہیں" غرض یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اخلاقی بدنظمی کی تحریک ہمیں نئی منزلوں کی طرف لے جا رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر وہ منزلیں کون سی ہیں ؟ آیا وہ مستقبل جو ہمارے سامنے ہے ترقی حسن، اور روز افزوں روحانیت سے معمور ہے یا تنزل اور ظلمت، بدصورتی اور بہیمیت سے جو روز بروز بڑھتی جائے گی ؟ کیا یہ بے نظمی جس کا دور دورہ ہے اس قسم کی مفید بغاوت جو فرسودہ اخلاق کے خلاف ہوا کرتی ہے، اس قسم کا مبارک جہاد جسے آئندہ نسلیں تشکر کے ساتھ یاد رکھتی ہیں، کیونکہ یہ چیزیں خاص خاص زمانوں میں ان کی نہفت اور ترقی کے آغاز کے لئے لازمی ہیں، یا یہ ہماری قدیم جہالت اور وحشت ہے جو ان اخلاقی قوانین کے مقابلے میں اٹھ کھڑی ہوتی ہے جس کی سختی اسی لئے ناگزیر ہے کہ اس کے بغیر ہم

(بقیہ) سے الگ ہوجاتے ہیں۔

ان بہیمی جذبات کو روک نہیں سکتے ؟ ایسا تو نہیں کہ ہمارا سابقہ ایک نامبارک بغاوت سے ہے جو زندگی اور سلامتی کے خلاف ہو رہی ہے" ؟ اس کے بعد موسیو بورو اس بات کی نہایت زبردست شہادت پیش کرتے ہیں کہ اب تک اس کے نتائج ہر طرح سخت مضر ثابت ہوئے ہیں یہاں تک کہ ان سے انسانی زندگی کی ہلاکت کا خطرہ ہے۔

(۳)

ان دونوں باتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے کہ میاں بیوی جہاں تک بشری قوت کام دے ضبط نفس کے ذریعے سے اپنی اولاد کی تعداد کو محدود رکھیں یا وہ اس مقصد کو اس طرح حاصل کریں کہ شہوانی فعل کا لطف تو اٹھاتے رہیں مگر بعض تدبیروں سے اس کے نتائج کو روک دیں یہاں موسیو بورو نے اعداد و شمار اور نقشوں کے ذریعے سے یہ ثابت کیا ہے کہ منع حمل کے طریقوں کا روزافزوں استعمال جس کا مقصد یہ ہے کہ شہوانی خواہش دل کھول کر پوری کی جائے مگر اس کے قدرتی نتائج روک دئے جائیں یہ رنگ لایا ہے کہ نہ صرف پیرس میں بلکہ سارے فرانس میں اموات کی شرح ولادت کی شرح سے بڑھ گئی ہے ۸۷ علاقوں میں فرانس منقسم ہے ان میں سے ۸۴ میں شرح ولادت شرح اموات سے کم ہے ایک جگہ یعنی لوٹ کے علاقے میں اموات کی شرح ۱۶۳ اور ولادت کی ۱۰۰ ہے اس کے بعد تارن و گارون کا نمبر ہے جہاں اموات ۱۵۶ اور ولادتیں ۱۰۰ ہیں ان علاقوں میں بھی جہاں ولادت کی شرح اموات سے زیادہ ہے۔ کئی ایسے ہیں جہاں فرق محض برائے نام ہے۔ صرف دس علاقوں میں اتنا فرق ہے جو قابل ذکر ہے سب سے کم شرح اموات یعنی ۱۰۰ ولادتوں کے مقابلے میں ۷۲ موت کی ہاں اور یا دو کیلے میں ہے۔ موسیو بورو ثابت کرتے ہیں کہ آبادی کے گھٹنے کا عمل جسے وہ "اختیاری موت" کہتے ہیں ابھی تک جاری ہے۔

اس کے بعد موسیو بورو فرانس کے صوبوں کی حالت پر تفصیل سے نظر ڈالتے ہیں

اور ذیل کی عبارت موسیو گیدے سے نقل کرتے ہیں جو انھوں نے ۱۹۱۴ء میں نارمنڈی کے متعلق لکھی تھی "پچاس برس کے عرصے میں نارمنڈی میں تین لاکھ باشندے کم ہو گئے ہیں اور یہ تعداد ضلع اورن کی پوری آبادی کے برابر ہے ہر ۲۰ سال میں اس صوبے میں ایک ضلع کے برابر آبادی کم ہوتی جاتی ہے اور چونکہ اس میں صرف ۵ ضلعے ہیں اس لئے ایک صدی کا عرصہ اس کے لئے کافی ہے کہ اس کے زرخیز مرغزار فرانسیسیوں سے خالی ہو جائیں میں نے خاص کر کے فرانسیسیوں سے خالی ہو جانا کہا کیونکہ یقیناً دوسرے لوگ یہاں آکر آباد ہو جائیں گے اور اگر ایسا نہ ہو تو افسوس کی بات ہے۔ کے این کے آس پاس لوہے کی کانوں میں جرمن لوگ کام کر رہے ہیں اور ابھی کل ہی کا ذکر ہے کہ اس مقام پر جہاں سے ولیم فاتح جہاز میں بیٹھ کر انگلستان روانہ ہوا تھا چینی مزدوروں کا ایک بہڑا دل دستہ جہاز سے اترا ہے اس پر موسیو بورو یہ اضافہ کرتے ہیں" اور خدا جانے کتنے اور صوبے ہیں جن کی حالت ایسی ہی ابتر ہے"۔

اس کے بعد وہ یہ دکھاتے ہیں کہ آبادی کے گھٹنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا ہے کہ قوم کی فوجی قوت کم ہو گئی ہے ان کے نزدیک فرانس سے ہجرت کر کے مقبوضات میں آباد ہونے والوں کی تعداد کی کمی کا باعث بھی یہی ہے۔ پھر وہ فرانس کی نوآبادیوں کی توسیع کے رک جانے اور فرانسیسی تجارت، فرانسیسی زبان اور ادب کے تنزل کا باعث بھی اسی کو قرار دیتے ہیں۔

اس کے بعد موسیو بورو پوچھتے ہیں" کیا یہ فرانسیسی لوگ جنھوں نے جنسی ضبط و انضباط کو ترک کر دیا ہے راحت و مسرت، مادی بہبود، جسمانی صحت اور ذہنی تہذیب کے حاصل کرنے میں آگے بڑھ گئے ہیں" اور خود ہی جواب دیتے ہیں" جہاں تک صحت کے بہتر ہونے کا تعلق ہے چند لفظ کافی ہوں گے ہم بہت چاہتے ہیں کہ تمام اعتراضات کا جواب باقاعدہ طور پر دیں مگر اس دعوی پر تو سنجیدگی سے غور کرنا بہت ہی دشوار ہی

کہ "جنسی آزادی" سے جسم کو قوت اور صحت کو فائدہ پہنچے گا۔ ہر طرف سے یہ سننے میں آتا ہے کہ نوعمروں اور بالغوں دونوں کی طاقت کم ہوگئی ہے۔ جنگ سے پہلے فوجی افسروں کو بار بار رنگروٹوں کا جسمانی معیار گھٹانا پڑا۔ اور ساری قوم کی مشقت کو برداشت کرنے کی قوت گھٹ گئی ہے ظاہر ہے۔ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ اس تنزل کا سبب صرف اخلاقی ضبط کی کمی ہی مگر یہ واقعہ ہے کہ شراب خواری کی کثرت صحت کو خراب کرنے والے مکانوں وغیرہ کے ساتھ ساتھ اس چیز کو بھی اس تنزل میں بہت کچھ دخل ہے اور اگر ہم غور سے دیکھیں تو آسانی سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ بداخلاقی اور وہ جذبات جن پر اس کی بنا ہے ان دوسری بلاؤں کے سب سے بڑے حامی اور مددگار ہیں۔

" امراض خبیثہ کی خوفناک کثرت نے صحت عامہ کو اس قدر نقصان پہنچایا ہے جس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔"

موسیو بورؤ نا مالتھوسیوں[1] کے اس نظریہ کو بھی تسلیم نہیں کرتے کہ جو معاشرہ انضباط سے کام لیتا ہے اس کے افراد کی دولت اس انضباط کی نسبت سے بڑھ جاتی ہے اور اپنے قول کی تائید میں وہ جرمنی کی ترقی پذیر شرح ولادت کا مقابلہ فرانس کی تنزل پذیر شرح ولادت سے کرتے ہیں جس کے ساتھ ساتھ اس ملک کی دولت بھی کم ہو رہی ہے اور وہ کہتے ہیں "یہ بات بھی نہیں ہے کہ جرمنی میں تجارت کی حیرت انگیز توسیع کا سبب یہ ہو کہ وہاں مزدوروں کی اجرت دوسرے ملکوں سے کم ہے وہ موسیو روسیئول سے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں" جن دنوں جرمنی کی آبادی ۱۰۰۰۰۰۰ تھی وہاں لوگ بھوکے مرتے تھے۔ مگر جب سے آبادی ۶۸۰۰۰۰۰ ہو گئی ہے دولت برابر بڑھ رہی ہے" اس کے بعد وہ خود فرماتے ہیں" یہ لوگ ہرگز راہبوں کی سی زندگی بسر نہیں

---

[1] Neo-Malthusians منع حمل کے حامیوں کا ایک گروہ۔

کرتے پھر بھی ان کے لئے یہ ممکن تھا کہ ہر سال سیونگ بنکوں میں بڑی بڑی رقمیں جمع کریں جن کی تعداد ۱۹۱۱ء میں دو کھرب بیس ارب فرانک تھی حالانکہ ۱۸۹۵ء میں صرف ایک سو اسی ارب فرانک جمع تھے۔ جس معنی یہ ہیں کہ ہر سال آٹھ ارب پچاس کروڑ فرانک کا اضافہ ہوتا رہا۔"

ذیل کی عبارت جو موسیو لورد جرمنی کی صنعتی ترقی کا ذکر کرنے کے بعد اس کے عام تہذیب و تمدن کے متعلق لکھتے ہیں دلچسپی سے پڑھی جائے گی۔

"بغیر عمرانیات کا ماہر ہونے کے انسان یقینی طور پر کہہ سکتا ہے کیونکہ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ صنعتی ترقی ناممکن تھی اگر زیادہ شائستہ مزدور، زیادہ تعلیم یافتہ مستری، مکمل تربیت یافتہ انجنیر دستیاب نہ ہوتے...... صنعتی مدرسے تین طرح کے ہیں:۔ پیشہ آموز جن کی تعداد پانسو ہے اور ان میں ۷۰۰۰۰ طالب علم تعلیم پاتے ہیں، صنعتی جو اس سے بھی زیادہ تعداد میں ہیں اور ان میں بعض میں ایک ہزار سے زیادہ طالب علم ہیں اور یہ یونیورسٹیوں کی طرح ڈاکٹر کی گراں قدر سند دیتے ہیں...... تین سو بیاسٹھ تجارتی مدرسے ہیں جن میں ۳۱۰۰۰ طالب علم ہیں اور بے شمار مدرسوں میں زراعت کی تعلیم ہوتی ہے جس سے ۹۰۰۰ طلبہ فائدہ اٹھاتے ہیں بھلا ان چار لاکھ طلبا سے جو پیدائش دولت کے مختلف صیغوں میں تعلیم پاتے ہیں ہمارے ملک کے پیشہ آموز مدرسوں کے ۳۵ ہزار طلبہ کا کیا مقابلہ اور کیا وجہ ہے کہ جب ہمارے ۱۷۰۰۰۰ ہموطن جن میں سے ۷۶۷۹۰۸ اٹھارہ برس سے کم عمر کے ہیں کاشتکاری پہ بسر کرتے ہیں۔ ہمارے زراعتی مدرسوں میں صرف ۳۲۲۵ طلبہ ہیں" موسیو لورد نے کمال احتیاط سے یہ بات صاف کردی ہے کہ جرمنی کی اس حیرت انگیز ترقی کا سبب محض ولادتوں کا اموات سے زیادہ ہونا نہیں ہے گروہ بجا طور سے کہتے ہیں کہ اگر دوسرے حالات موافق ہوں تو غالب شرح ولادت قومی نشو و نما کی ناگزیر

شرط ہے۔ انھیں جو دعویٰ ثابت کرنا ہے وہ یہ ہے کہ افزائش پذیر شرح ولادت ہرگز مادی بہبود اور اخلاقی ترقی کے منافی نہیں ہے۔ شرح ولادت کے معاملے میں ہم ہندوستانیوں کی وہ حالت نہیں ہے جو فرانسیسیوں کی ہے۔ مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی غالب شرح ولادت بہ خلاف جرمنی کے قومی نشو و نما کے لیے مفید نہیں ہے۔ مگر مجھے پہلے سے اس باب کا مضمون بیان نہیں کرنا چاہیئے جو میں نے موسیو بورو کے اعداد و شمار اور نتائج کی روشنی میں ہندوستانی حالات سے بحث کرنے کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔

جرمنی کے حالات پر جہاں شرح ولادت شرح اموات سے بڑھی ہوئی ہے غور کرنے کے بعد موسیو بورو کہتے ہیں "کیا ہم یہ نہیں جانتے کہ فرانس مجموعی قومی دولت کے اعتبار سے چوتھے نمبر پر ہے اور وہ بھی اس طرح کہ تیسرے نمبر والے سے بہت پیچھے ہے؟ فرانس کی آمدنی اس روپے سے جو مختلف کاموں میں لگا ہوا ہے دو کھرب پچاس ارب فرانک سالانہ ہے اور جرمنی کے لوگوں کی تقریباً ۵ کھرب فرانک ہے ...... ہماری زمین کی آمدنی ۱۸۷۹ء اور ۱۹۱۴ء کے درمیان یعنی ۳۵ برس کے عرصے میں چار کھرب فرانک کم ہو گئی ہے یعنی بجائے ۹ کھرب ۲۰ ارب کے ۵ کھرب بیس ارب رہ گئی ہے ... ضلعے کے ضلعے ایسے ہیں جن میں کاشت کرنے کے لئے آدمی نہیں ہیں اور بعض تعلقوں میں سوائے بوڑھوں کے جوان نظر ہی نہیں آتے۔" آگے چل کر وہ فرماتے ہیں "اخلاقی بے نظمی اور مستقل لاولدی کا نتیجہ یہ ہے کہ قوم کی فطری صلاحیتیں تنزل پذیر ہیں اور معاشرتی زندگی میں بیّن طور پر بوڑھوں کا غلبہ ہے ..... فرانس میں ہزار آدمیوں میں صرف ۱۷۰ بچے ہیں حالانکہ جرمنی میں ۲۲۰ اور انگلستان میں ۲۱۰ ہیں .... بوڑھوں کا تناسب ضرورت سے زیادہ ہے اور دیگر لوگ جو اخلاقی بے نظمی اور اختیاری لاولدی کی وجہ سے قبل از وقت ضعیف ہو گئے ہیں ان پر بھی وہی بڑھاپے کی مایوسی اور ہراس طاری ہے جو از کار رفتہ نسلوں میں ہوا کرتا ہے۔"

اس کے بعد مصنف کہتا ہے "ہم جانتے ہیں کہ فرانسیسی قوم کے اکثر لوگ اپنے حکمرانوں کی اس خانگی حالت (اخلاقی بدعنوانیوں) کی طرف سے بے پرواہ ہیں کیونکہ ایک بڑا سہل نظریہ بنا لیا گیا ہے کہ "خانگی زندگی پر پردہ پڑا رہنے دو" اور وہ نہایت رنج کے ساتھ موسیو لیو پولڈ مونود کا یہ قول نقل کرتے ہیں :-

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ شرمناک مظالم کو دور کرنے کے لئے لڑائی لڑی جائے اور مظلوموں کی بیڑیاں کاٹ دی جائیں مگر ان لوگوں کو کیا کہئے گا جن کی بزدلی کا یہ حال ہے کہ اپنے ضمیر کو تحریصوں سے نہ بچا سکے جن کی شجاعت ایک بوسے سے یا ایک جبیں جبیں سے مغلوب ہو جاتی ہے .... جو بغیر شرم و حیا کے ملکہ بڑے فخر کے ساتھ اس عہد وفا کو توڑتے ہیں جو انھوں نے ایک مبارک اور مقدس ساعت میں اپنی بیوی سے کیا تھا، جو اپنے گھروں کو خود غرضی اور خود پرستی کے ظلم میں گرفتار رکھتے ہیں ..... ایسے لوگ دوسروں کو کیونکر آزاد کرا سکتے ہیں"۔

آخر میں مصنف ساری بحث کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے "غرض جدھر دیکھئے یہی نظر آتا ہے کہ ہماری اخلاقی بدنظمی کی مختلف شکلوں نے فرد کو خاندان کو اور مجموعی معاشرے کو نہایت شدید نقصان پہنچایا ہے اور ہمیں ایسی مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے جو صحیح بیان سے باہر ہے۔ ہمارے نوجوانوں کی عیاشی، عصمت فروشی کی گرم بازاری فحش کتابوں کی کثرت، روپے یا عزت یا عیش و عشرت کی خاطر شادی کرنا، زناکاری طلاق، اختیاری منع حمل اور اسقاط نے قوم کو ناکارہ کر دیا ہے اور نسل کی افزائش روک دی ہے۔ افراد اپنی قوتوں کی حفاظت میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں اور تعداد کی کمی کے ساتھ ساتھ نئی نسل اخلاقی صفات کے لحاظ سے بھی گر گئی ہے" ولادت کم کرا دینا بہتر یہ اصول اُن لوگوں کے لئے کچھ عجیب کشش رکھتا تھا جن کی نظر کو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے مادی تصور نے محدود کر دیا تھا اور جو یہ سمجھتے تھے کہ انسانوں کی

نسل کتنی ہی بھیڑ بکری یا گھوڑے کی طرح ہو سکتی ہے۔

آگست کونت نے بڑا اچھا ہوا فقرہ کہا ہے کہ یہ لوگ جو ہماری معاشرتی بیماریوں کے طبیب ہونے کے مدعی ہیں اگر بیکاری کا پیشہ اختیار کرتے تو اچھا تھا کیونکہ وہ فرد اور جماعت دونوں کی نامحدود نفسی پیچیدگیوں کے سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتے۔

" اصل بات یہ ہے کہ انسان جتنے خیالات رکھتا ہے، جتنے فیصلے کرتا ہے، جتنی عادتیں ڈالتا ہے ان میں سے کسی کا اثر اس کی انفرادی اور معاشرتی زندگی پر اس قدر گہرا نہیں ہوتا جتنا ان خیالات، فیصلوں اور عادتوں کا جو شہوانی خواہش کے تقاضے سے متعلق ہیں خواہ وہ اس کا مقابلہ کرے اور اس پر غالب آجائے خواہ اس سے دب کر مغلوب ہو جائے دونوں صورتوں میں اس کے عمل کی لہر معاشرتی زندگی میں بہت دور دور تک پہنچتی ہے کیونکہ فطرت کا حکم یہی ہے کہ جو فعل سب سے زیادہ پردہ خلوت میں پوشیدہ ہے وہ عالم جلوت میں بے شمار اثرات پیدا کرے۔

"اس خلوت کی آڑ میں ہم اپنے دل کو ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی کرتے وقت یوں سمجھا لیتے ہیں کہ ہمارے بُرے فعل سے کوئی اہم نتائج پیدا نہیں ہوں گے۔ جہاں تک ہماری ذات کا تعلق ہے ہمیں اطمینان ہو جاتا ہے کہ ہمارے فعل کا مقصد ہی اپنی ذاتی غرض یا لذت ہوتی ہے۔ اب رہا مجموعی معاشرہ تو ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ ہماری ناچیز ذات سے اس قدر بلند تر ہے کہ ہمارے کرتوت کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم دل ہی دل میں امید رکھتے ہیں کہ دوسرے لوگ پاکباز اور پارسا رہیں گے۔ ستم یہ ہے کہ ہمارا یہ بزدلانہ انداز اس وقت تک قریب قریب ٹھیک نکلتا ہے جب تک ہم بدفعلی کا ارتکاب عادتاً نہیں بلکہ گاہے گاہے کرتے رہتے ہیں اس لئے ہم اپنی اس کامیابی پر پھول جاتے ہیں اور اپنے رویے پر قائم رہتے ہیں یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ہم اسے جائز سمجھنے لگتے ہیں اور یہی ہماری سب سے بڑی سزا ہے۔

"لیکن ایک دن آتا ہے جب اس مثال کے اثر سے دوسرے بھی اس فعل کے مرتکب ہوتے ہیں ہماری ہر بد فعلی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ "دوسرے لوگوں" کا نیکی کا دامن تھامے رہنا جس پر ہم اس قدر بھروسہ کرتے ہیں مشکل ہو جاتا ہے اور اس کے لئے بڑی ہمت کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہمارا ہمسایہ یہ سمجھ کر کہ میں کب تک بیوقوف بنتا رہوں ہماری تقلید پر کمر باندھ لیتا ہے اسی دن سے تباہی کا آغاز ہو جاتا ہے اور ہر شخص آسانی سے اندازہ کر سکتا ہے کہ اس کی بدکرداری کے نتائج کیا ہیں اور اس کی ذمہ داری کی حد کہاں تک ہے ....

"وہ برا فعل جو ہمارے نزدیک پردے میں نہاں تھا ظاہر ہو جاتا ہے اس کے اندر ایک خاص غیر مادی شعاع افگنی کی قوت¹ ہوتی ہے اور اس کا اثر ہر جماعت میں اور ہر طبقے میں پہنچ جاتا ہے۔ ہر ایک شخص کے جرم کی سزا سب کو بھگتنا پڑتی ہے کیونکہ ہمارے افعال کی تاثیر اس حلقے کی طرح جو موجوں کی حرکت سے پیدا ہوتا ہے پھیلتے پھیلتے معاشرتی زندگی کے سمندر میں بڑی دور دور تک پہنچتی ہے ....

"اخلاقی بے نظمی سے بقائے نسل کا چشمہ فوراً خشک ہو جاتا ہے بالغ مرد اور عورت اخلاقی اور جسمانی کمزوری میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان کی زندگی کو گھن لگ کر رہ جاتا ہے"۔

(۴)

اخلاقی بے نظمی، منع حمل کے طریقوں سے اس کی مزید شدت اور اس کے خوفناک نتائج کا ذکر کرنے کے بعد مصنف اس کے علاج کی تدبیروں پر غور کرتا ہے۔ میں ان حصوں کو چھوڑتا ہوں جن میں وضع قوانین کا ذکر ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ

---

¹ Radio activity.

ان کا ہونا ضروری ہے گو بذات خود یہ بالکل بے کار ہیں۔ آگے چل کر اس نے بتایا ہے کہ نہایت احتیاط کے ساتھ رائے عامہ کی تربیت سے ان فرائض کا احساس پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ بن بیاہے پاک دامن رہیں وہ بے شمار انسان جو اپنی شہوانی خواہشات کو ہمیشہ کے لئے روک نہیں سکتے شادی کر لیں اور شادی کے بعد عہد وفا کو نباہیں اور زن وشوہر کے تعلقات میں بھی اعتدال برتیں پھر اس نے اس دلیل پر نظر ڈالی ہے جو پاک دامنی کے خلاف پیش کی جاتی ہے کہ "اس کا حکم مرد اور عورت کی طبعی فطرت کے خلاف اور ان کی صحت کے توازن کے لیے مضر ہے" اور یہ "ناقابل برداشت مداخلت ہے فرد کی آزادی اور خود مختاری میں اور اس کے اس حق میں کہ راحت حاصل کرے اور اپنی زندگی جس طرح گزارنا چاہے گزارے"

مصنف اس نظریہ کا مخالف ہے کہ عضو تناسل دوسرے اعضا کی طرح "تسکین کا طالب رہتا ہے" اس کا کہنا یہ ہے کہ "اگر یہ بھی دوسرے اعضاء کی طرح ہوتا تو اس کامل قوت ضبط کی کیا توجیہ کی جاتی جو ہمارے ارادے کو اس پر حاصل ہے اور اس کا کیا جواب دیا جاتا کہ جذبہ شہوت کا پیدا ہونا جسے ریاکار "شہوانی حاجت" کہتے ہیں ان بے شمار محرکات کا نتیجہ ہے جو ہمارا تمدن لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے سن بلوغ سے برسوں پہلے پیدا کر دیتا ہے؟"

میرا بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اس قابل قدر طبی شہادت کو نقل کر دوں جو اس کتاب میں اس بات کے ثبوت میں جمع کی گئی ہے کہ ضبط نفس نہ صرف بے ضرر ہے بلکہ صحت کے لئے ضروری ہے اور اس کا حاصل کرنا یقیناً ممکن ہے:۔

ٹیوبنگن یونیورسٹی کے پروفیسر اوسٹرلن کہتے ہیں "شہوانی جبلت نہ اتنی اندھی ہے اور نہ اس قدر قوی کہ اسے اخلاقی قوت اور عقل کے ذریعے قابو میں رکھنا بلکہ بالکل مغلوب کر لینا ناممکن ہو۔ نوجوان مرد کو بھی نوجوان عورت کی طرح مناسب وقت

تک ضبط نفس سے کام لینا لازم ہے۔ اسے جان لینا چاہئے کہ اس قربانی کا نتیجہ مضبوط صحت اور سدابہار قوت ہے۔

"یہ بات جتنی بار کہی جائے کم ہے کہ عفت اور پاکدامنی عضویات اور اخلاق دونوں کے قوانین کے سراسر مطابق ہیں اور شہوت پرستی مذہب اور اخلاق کی طرح عضویات اور نفسیات کی رو سے بھی جائز ثابت نہیں کی جاسکتی۔"

لندن کے رائل کالج کے پروفیسر سر لائنل بیل کا قول" سب سے بہتر اور برتر اشخاص کی مثال سے ہمیشہ یہ ثابت ہوتا رہا ہے کہ سب سے قوی جبلت بھی مضبوط اور سنجیدہ ارادے اور کردار و معاشرت میں کافی احتیاط کے ذریعے سے پوری طرح رد کی جاسکتی ہے۔ شہوانی خواہش کا ترک اگر محض خارجی موانع کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک اختیاری اصول عمل کے طور پر برتا گیا ہے تو اس سے آج تک کسی شخص کو نقصان نہیں پہنچا۔ غرض ضبط نفس کا قائم رکھنا اتنا زیادہ مشکل نہیں بشرطیکہ یہ ایک نفسی کیفیت کا جسمانی مظہر ہو ..... ضبط نفس محض افعال تک محدود نہیں بلکہ اس میں جذبات کی پاکیزگی اور وہ قوت شامل ہے جو گہرے عقیدوں سے پیدا ہوتی ہے۔"

سوئٹزرلینڈ کے ماہر نفسیات فورل کی رائے ہے" ہر قسم کے اعصابی افعال مشق سے بڑھتے اور قوت پاتے ہیں۔ برخلاف اس کے کسی خاص حصے کے معطل رہنے سے اس میں تحریک پیدا کرنے والے اسباب کا اثر کم ہو جاتا ہے۔

وہ سب اسباب جن سے شہوانی بے چینی پیدا ہوتی ہے خواہش نفس کی شدت میں اضافہ کرتے ہیں ان اکسانے والی چیزوں سے پرہیز کیا جائے تو احساس کم ہو جاتا ہے اور خواہش رفتہ رفتہ گھٹتی جاتی ہے۔ نوجوانوں میں یہ خیال رائج ہو گیا ہے کہ ضبط نفس کوئی غیر طبعی اور ناممکن چیز ہے حالانکہ بہت سے لوگ اپنے عمل کے ذریعے سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ شہوانی خواہش کے ترک سے صحت کو نقصان نہیں پہنچتا۔"

رنگ لکھتا ہے "میں بعض نوجوانوں کو جانتا ہوں جن کی عمر ۲۵، ۳۰ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے اور وہ کامل ضبط نفس سے کام لیتے ہیں یا جس وقت ان کی شادی ہوئی اس وقت تک اس پر عامل تھے۔ ایسی مثالیں شاذ نہیں ہیں، البتہ یہ لوگ اپنا اشتہار نہیں دیتے۔

"مجھ سے بہت سے طالب علموں نے اپنے پوشیدہ حالات بیان کئے ہیں اور یہ شکایت کی کہ میں نے اس بات پر کافی زور نہیں دیا کہ شہوانی خواہش آسانی سے قابو میں لائی جاسکتی ہے۔"

ڈاکٹر ایکٹن کے نزدیک "شادی سے پہلے نوجوان کامل ضبط نفس سے کام لے سکتے ہیں اور انھیں یہی کرنا چاہیئے"۔

سر جیمس پجیٹ دربار انگلستان کے طبیب خاص کا قول ہے" جس طرح پاکبازی سے روح کو نقصان نہیں پہنچتا اسی طرح جسم کو بھی ضرر نہیں ہوتا اور ضبط خواہش بہترین طرز عمل ہے۔"

ڈاکٹر اے پیریر رقمطراز ہیں: "یہ عجیب خبط ہے جس کا دور کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ اس میں نہ صرف بچے بلکہ ان کے باپ بھی مبتلا ہیں کہ کامل ضبط نفس میں بہت سے خطرے فرض کرلئے گئے ہیں۔ اصل میں پاک دامنی نوجوانوں کے لئے جسمانی، اخلاقی اور ذہنی تحفظ کا ذریعہ ہے۔"

سر انیڈریو کلارک کہتے ہیں "ضبط خواہش سے نقصان نہیں پہنچتا، نشو و نما نہیں رکتی اس سے آدمی کی سکت اور قوت بڑھ جاتی ہے اور ادراک تیز ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے خواہش نفس کی پیروی سے انسان کو اپنے اوپر قابو نہیں رہتا۔ سستی اور ڈھیل کی عادتیں پڑ جاتی ہیں سارے نظام جسمانی پر بے حسی اور سستی چھا جاتی ہے اور وہ ان بیماریوں کی زد میں آجاتا ہے جو کئی پشتوں تک منتقل ہوا کرتی ہیں خواہش

نفس کی پیروی کو نوجوانوں کے لئے ضروری قرار دینا صرف خطا ہی نہیں بلکہ ظلم ہے۔ یہ بات غلط بھی ہے اور مضر بھی"۔

ڈاکٹر سر بلیڈ لکھتے ہیں "خواہش نفس کی پیروی میں جو مضرتیں ہیں انھیں ہر شخص جانتا ہے ان میں اختلاف کی گنجائش نہیں ضبط خواہش کے نقصانات محض خیالی ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ مقدم الذکر کی توجیہہ میں بہت سی ضخیم عالمانہ کتابیں لکھی گئی ہیں اور موخر الذکر کی تاریخ لکھنے والا آج تک کوئی پیدا نہیں ہوا۔ ان نقصانات کی طرف لوگ محض چھپے اشارے کرتے رہتے ہیں جو شرم کی وجہ سے گفتگو تک محدود رہتے ہیں اور منظر عام پر آنے کی تاب نہیں لا سکتے"

ڈاکٹر مانتی گانزا "عضویات عشق" میں تحریر کرتے ہیں "میں نے آج تک نہیں دیکھا کہ پاکبازی سے کوئی بیماری پیدا ہوئی ہو .... سب لوگ خصوصاً نوجوان ان کے فوری فوائد کا تجربہ کر سکتے ہیں"۔

برن یونیورسٹی کے مرضیات اعصاب کے مشہور پروفیسر ڈاکٹر دوبوئے کا بیان ہے "ضعف اعصاب کے مریض ان لوگوں میں زیادہ ہوتے ہیں جو شہوت پرستی کی باگ ڈھیلی چھوڑ دیتے ہیں بہ نسبت ان اشخاص کے جو حیوانیت کے بندے نہیں ہوتے" اور ان کی شہادت کی کامل تصدیق ڈاکٹر فیرے بسیئیر ہسپتال کے طبیب نے کی ہے کہ جو لوگ نفسی پاکبازی برت سکتے ہیں وہ ضبط خواہش کریں تو ان کی صحت کے لئے مطلق خطرہ نہیں صحت کا انحصار جنسی جبلت کی تسکین پر نہیں ہے"۔

پروفیسر الفریڈ فورنئے رقمطراز ہیں "اس مسئلے میں کہ ضبط خواہش میں نوجوانوں کے لیے خطرے ہیں بہت کچھ بے ہودہ اور غیر ذمہ دارانہ گفتگو کی گئی ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر یہ خطرے موجود ہیں تو میں ان سے بے خبر ہوں اور مجھے بحیثیت طبیب کے آج تک ان

La physiologie de l'amour

کے وجوہ کا کوئی ثبوت نہیں ملا باوجودیکہ مجھے طبی معائنوں میں ہر طرح کے مریضوں کے دیکھنے کا موقع حاصل ہوا ہے"۔

"اس کے علاوہ میں ماہر عضویات کی حیثیت سے اتنا اور کہوں گا کہ حقیقی قوت مردمی کم وبیش اکیس سال کی عمر میں حاصل ہوتی ہے اور اس سے پہلے جنسی حاجت محسوس نہیں ہوتی خصوصاً اس صورت میں کہ وہ غیر طبعی تحریکوں کے ذریعے سے قبل از وقت ابھاری نہ گئی ہو مقررہ عمر سے پہلے شہوت جنسی کا پیدا ہونا محض مصنوعی چیز ہے اور اکثر بے راہ تربیت کا نتیجہ ہوتا ہے بہر حال آپ یقین کیجئے کہ فطری رجحان کو روکنے میں اس قسم کے خطرے کم ہیں بہ نسبت اس کے کہ وہ قبل از وقت پورا کیا جائے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میرا مطلب کیا ہے؟"

ان مستند شہادتوں کو نقل کرنے کے بعد جن میں اور بہت سی آسانی سے اضافہ کی جاسکتی ہیں، موسیو بورو نے اس تحریک کو نقل کیا ہے جو ۱۹۰۲ء میں بروسلز میں مجلس سد امراض جسمانی و اخلاقی نے یہ اتفاق رائے پاس کی تھی اس مجلس میں تمام دنیا کے ماہرین فن جمع ہوئے تھے تحریک کے الفاظ یہ ہیں" نوجوانوں کو سب سے بڑھ کر اس بات کی تلقین کرنا چاہیئے کہ پاکبازی اور ضبط خواہش نہ صرف بے ضرر ہیں بلکہ ان صفات میں سے ہیں جن پر محض طب اور حفظان صحت کے نقطۂ نظر سے بعید زور دینے کی ضرورت ہے"۔

اس کے بعد موسیو بورو کہتے ہیں" چند سال ہوئے کرسچیانا یونیورسٹی کے طبی شعبے کے پروفیسروں نے بھی بالاتفاق ایک بیان شائع کیا تھا :۔ ہم سب لوگوں کے تجربے کے مطابق یہ قول کہ پاکبازی کی زندگی صحت کے لئے مضر ہے محض بے بنیاد ہے۔ ہمارے نزدیک تجرد میں عمر بسر کرنے سے کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچا۔

"غرض مخالفوں کے دلائل پر غور ہو چکا۔ اب ہم عمرانیات اور اخلاقیات کے ماہر موسیو روئیس کے ہمزبان ہو کر کہہ سکتے ہیں کہ" شہوانی خواہش غذا اور ورزش کی ضروریات کی طرح نہیں جسے تھوڑی حد تک بھی پورا کرنا لازمی ہو۔ یہ واقعہ ہے کہ مرد اور عورت پاکبازی

کی زندگی بسر کر سکتے ہیں اور بجز چند غیر طبعی اشخاص کے کسی کو کوئی خاص خرابی بلکہ تکلیف تک محسوس نہیں ہوتی یہ کہا جا چکا ہے (اور اس کی جس قدر تکرار کی جائے کم ہے کیونکہ اس بنیادی حقیقت سے بھی اس کثرت سے لوگ ناواقف ہیں) کہ طبعی افراد کو جن کی بہت بڑی اکثریت ہی ضبط خواہش سے مطلق کسی طرح کی بیماری نہیں ہوتی۔ البتہ خواہش نفس کی پیروی سے بہت سے شدید امراض جن سے ہر شخص واقف ہے پیدا ہوتے ہیں۔ قدرت نے فاضل غذا کے لئے ایک نہایت سہل اور حکمی تدبیر کر دی ہے یعنی احتلام اور رماہواری ایام"۔

"اس لیے ڈاکٹر ویری کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ یہاں سچی جبلت یا حقیقی حاجت کا سوال نہیں ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اگر وہ غذا کی حاجت پوری نہ کرے یا سانس کی آمد ورفت کو روک دے تو کیا انجام ہوگا لیکن کسی نے کوئی ایسی مثال نہیں بتائی ہے کہ عارضی یا مستقل ضبط خواہش سے کسی طرح کی بیماری شدید یا مزمن پیدا ہوئی ہو...... طبعی زندگی میں ہمیں بہت سے پاک دامن لوگوں کی مثالیں نظر آتی ہیں جو دوسرے لوگوں سے نہ تو سیرت کی پختگی میں کم ہیں نہ ارادے کی قوت میں نہ صحت اور طاقت میں اور اگر وہ شادی کریں تو اولاد پیدا کرنے میں بھی ہیٹے نہ رہیں گے۔........ وہ حاجت جس کے مدارج اس قدر مختلف ہوں وہ جبلت جو اس قدر آسانی سے ٹل جائے۔ اصل میں نہ کوئی حاجت ہی اور نہ کوئی جبلت"۔

مجامعت اس لڑکے کی جو نشوونما کی حالت میں ہو کسی عضویاتی ضرورت کو پورا نہیں کرتی بلکہ اس کے برعکس اس کی طبعی ارتقار کا تقاضا کامل پاکدامنی سے پورا ہوتا ہے اور وہ لوگ جو اس سے انحراف کرتے ہیں اپنی صحت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچاتے ہیں بلوغ کے ساتھ بڑی بڑی تبدیلیاں ہوتی ہیں جسم کے مختلف وظائف میں ہلچل سی مچ جاتی ہے اور ایک عام نشوونما کا آغاز ہوتا ہے۔ عنفوان شباب کی منزل میں قدم رکھنے

والے لڑکے کو اپنی ساری قوت حیات کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ اکثر اس عمر میں بیماری کی مدافعت کرنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے اور بیماری اور اموات کی شرح اس سے پہلے کے دور کے مقابلے میں بڑھ جاتی ہے .... عام نشو و نما اور عضوی ارتقا کا طولانی عمل، جسمانی اور نفسی تغیرات کا وہ پورا سلسلہ جس کے بعد بچہ مرد بنتا ہے فطرت سے شدید محنت اور سعی کا طالب ہے ایسے وقت میں ہر طرح کی بے اعتدالی خطرناک ہے خصوصاً شہوانی قوت کا قبل از وقت استعمال"۔

(۵)

پاک دامنی کے عضویاتی فوائد کا ذکر کرنے کے بعد موسیو بورو اس کے اخلاقی اور ذہنی برکات کے متعلق پروفیسر مانٹی گازا سے ذیل کی عبارت نقل کرتے ہیں:-
"سب لوگ خصوصاً نوجوان پاکبازی کے فوری فوائد کا تجربہ کر سکتے ہیں۔ اس کی بدولت حافظہ پرسکون اور قوی ہو جاتا ہے۔ دماغ میں تیزی اور رسائی، ارادے میں مضبوطی اور مجموعی سیرت میں وہ استحکام پیدا ہو جاتا ہے جو عیاشوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا۔ پاک دامنی کے آئینہ میں ہمیں اپنے گردوپیش کی چیزیں طرح طرح کے خوشنما رنگوں میں نظر آتی ہیں جو کسی اور کے ذریعے سے ممکن نہیں اس کی شعاعوں سے کائنات کا ذرہ ذرہ منور ہو جاتا ہے اور اس کی بدولت ہم سعادت سرمدی کے ماہ کامل سے نور اور سرور حاصل کرتے ہیں جو گہن سے پاک اور زوال سے بری ہے" اور اس پر وہ خود یہ اضافہ کرتے ہیں :- "جو طاقتور نوجوان پاک دامن رہتے ہیں اُن کی خوشدلی، خوش مزاجی اور اعتماد نفس کے مقابلے میں ان کے ان ساتھیوں کا خواہش کا جنون اور اضطراب قلب باعث عبرت ہے، جو ہوائے نفس کے بندے ہیں"۔
اس کے بعد وہ پاکدامنی کی برکتوں کا مقابلہ "عیاشی کے افسوسناک نتائج" سے کرتے

ہیں مان کا دعویٰ ہے" ترک خواہش سے کسی قسم کی بیماری پیدا ہونے کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جاسکتی" اخلاقی بے ضبطی سے جو مہلک امراض پیدا ہوتے ہیں ان سے ہر شخص واقف ہے .... انسان کا جسم .... اس طرح سے سڑ کر رہ جاتا ہے کہ ناقابل اظہار ہے .... پھر اس گندگی کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے جو دل و دماغ اور تخیل کو آلودہ کر دیتی ہے۔ جدھر دیکھئے سیرت و اخلاق کی پستی شباب کی بے قید ہوس رانی، اور خود غرضی کی شدت کا رونا رویا جاتا ہے۔"

یہ ہے حقیقت شہوانی ضرورت کی جس کے نام سے نوجوان شادی سے پہلے کھل کھیلتے جو لوگ اس ہوس رانی کے اصول کے حامی ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ خواہش نفس پر قیود عائد کرنے کے معنی ہیں" انسان کی اس آزادی میں مداخلت کہ وہ اپنے جسم سے جس طرح چاہے کام لے" مصنف دلائل کے طومار سے یہ ثابت کرتا ہے کہ شہوانی خواہش کے پورا کرنے کی آزادی پر قیود عائد کرنا عمرانی اور نفسی نقطۂ نظر سے ضروری ہے۔

مصنف کہتا ہے" عمرانیوں کے نزدیک اجتماعی زندگی محض ایک طلسم ہے گوناگوں تعلقات کا ایک جال ہے عمل اور رد عمل کا جس کے اندر کسی ایسے شغلے کا تصور بھی ممکن نہیں جو اور مشاغل سے علیحدہ اور دراصل بے ربط ہو، خواہ ہم کوئی ارادہ کریں، کسی بات کی کوشش کریں عصبیت ہمارے کاموں کا رشتہ ہمارے ابنائے جنس کے افعال سے جوڑ دیتی ہے اور ہمارا ہر خیال خواہ وہ کتنے ہی گہرے پردوں میں چھپا ہو، ہر خواہش خواہ وہ کتنی ہی بے ثبات ہو اپنا اثر اس قدر دور تک پہنچاتی ہے کہ ہمارا ذہن اس کی وسعت کے اندازہ سے معذور ہے۔ انسان کا خاصۂ معاشرت کوئی عارضی یا فروعی خاصیت نہیں، یہ اس کی فطرت میں داخل ہے۔ اس کی انسانیت کا جزو ہے۔ اس کا انسان ہونا ہی معاشرت پسند ہونے کا باعث ہے کوئی اور میلان

عمل انسانی فطرت سے اس حد تک خصوصیت نہیں رکھتا۔ عضویات اور اخلاقیات،
معاشیات اور سیاسیات، علم اور جمالیات، مذہب اور معاشرت غرض سب چیزیں
پراسرار روابط، غیر معین تعلقات کے ایک عالمگیر نظام کی پابند ہیں۔ یہ رشتہ اس
قدر استوار ہے یہ جال اس قدر مضبوط ہے کہ بعض اوقات عمرانیات کا ماہر انسانی
تعلقات کے لامتناہی سلسلے کو جو اس کی آنکھوں کے سامنے زمان و مکان کی وسعت
میں پھیلتا چلا جاتا ہے دیکھ کر واقعی بڑی مشکل میں پڑ جاتا ہے۔ وہ ایک ہی نظر میں
اس کا اندازہ کر لیتا ہے کہ بعض اوقات انسان کی ذمہ داری کس قدر عظیم الشان
ہوتی ہے اور وہ آزادی جو بعض معاشرتی حلقے اسے دینا چاہتے ہیں اس کے مقابلے
میں کتنی بے حقیقت ہے۔"

مصنف آگے چل کر لکھتا ہے" اگر ہم یہ مانتے ہیں کہ بعض صورتوں میں انسان کو ٹکٹ
پر تھوکنے کی اجازت نہیں ہے .... تو وہ اتنے بڑے حق کا مطالبہ کیسے
کر سکتا ہے کہ اپنی جنسی قوت کو جس طرح چاہے صرف کرے؟ کیا اس قوت
کو کوئی دنیا سے نرالی مراعات حاصل ہے کہ وہ عصبیت کے عالمگیر قانون کے
اثر سے بچ جاتی ہے؟ آخر وہ کون شخص ہے جو اتنا نہیں سمجھتا کہ اس فعل کی
انتہائی اہمیت سے تو فرد کے عمل کا رد عمل اور بھی شدید ہو جاتا ہے؟ فرض کیجیے
کسی نوجوان لڑکے اور لڑکی میں وہ جھوٹی دوستی ہو گئی ہے جس کی حقیقت سے
ناظرین واقف ہیں۔ یہ دونوں خیال خام میں رہتے ہیں کہ ان کے پیمان محبت سے
کسی اور کو واسطہ نہیں۔ وہ آزادی کے قلعے میں محصور ہو کر اپنے دل کو سمجھا لیتے
ہیں کہ ان کے اس فعل سے جو پردہ خلوت میں پوشیدہ ہے معاشرے کو کوئی
دلچسپی نہیں اور وہ سراسر اس کی مداخلت سے باہر ہے۔ کیسا طفلانہ دھوکا ہے!
اجتماعی عصبیت جو ایک قوم کے کل افراد کو ملکہ قوموں کے دائرے سے آگے بڑھ کر

تمام نوع انسانی کو متحد کرتی ہے سب دیواروں سے یہاں تک کہ خلوت خانے کی
چار دیواری سے بھی گذر جاتی ہے اور باہمی تعلقات کا زبردست سلسلہ اس مفروضہ
ذاتی فعل کو معاشرتی زندگی میں بہت دور کے افعال سے جوڑ دیتا ہے اور اس ربط
میں انتشار پیدا کر دیتا ہے۔ ہر فرد جو اپنے اس حق پر اصرار کرتا ہے کہ عارضی یا بے ثمر
جنسی تعلقات پیدا کرے، جو اس آزادی کا مطالبہ کرتا ہے کہ اپنی قوت تناسل
کو محض اپنی لذت کے لئے استعمال کرے معاشرے میں تفریق اور ابتری کی بنا ڈالتا
ہے خواہ اس کا یہ مقصد ہو یا نہ ہو۔ ہمارے معاشرتی ادارے گو وہ ہماری خود غرضیوں
اور بے وفائیوں سے بگڑ چکے ہیں ابھی تک ہم سے اس کے طالب ہیں کہ ہم خوشی سے
ان ذمہ داریوں کو قبول کریں جو خواہش تناسل کے ساتھ لازمی طور پر وابستہ
ہیں اسی قبولیت کے بھروسے پر معاشرے نے اپنے بے شمار کاروبار پھیلا رکھے ہیں
مثلاً ملکیت، اجرت، وراثت، تشخیص محصول، فوجی خدمت، حق انتخابات، مدنی
حقوق وغیرہ، اگر فرد اپنے حصے کی ذمہ داری سے انکار کر دے تو وہ ایک آلۂ
واحد میں سارے کارخانے کو ابتر کر دیتا ہے اور معاہدۂ اجتماعی کے سب سے اہم
اصول کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کے بوجھ بڑھاتا ہے
اور خود اچھا خاصا مفت خورا، طفیلی، چور، دغا باز ہے ہم معاشرے کے سامنے جس
طرح اپنی سب قوتوں کے معاملے میں جواب دہ ہیں اسی طرح جسمانی قوت کے معاملے
میں بھی ہیں۔ بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں ہم پر اور بھی زیادہ ذمہ داری ہے
کیونکہ ایسا معاشرہ جو غیر مسلح ہے اور بیرونی حملوں سے تقریباً آزاد ہے اس چیز کو ہماری
مرضی پر چھوڑنے پر مجبور ہے کہ ہم اپنی جسمانی قوت کو مناسب طریقے سے معاشرتی
مفاد کے مطابق صرف کریں۔"

اس معاملے کے نفسی پہلو کے متعلق بھی مصنف اسی قدر سخت خیالات رکھتا

ہے۔

"مدتوں پہلے کسی نے یہ بات کہی تھی کہ آزادی دیکھنے میں رحمت سہی مگر اصل میں زحمت ہے" یہی تو اس کی عظمت اور شان ہے آزادی قیود عائد کرتی ہے، جبر سے کام لیتی ہے وہ ہر شخص کی سعی کے مجموعے کو بڑھا دیتی ہے، ہر فرد آزاد ہونا چاہتا ہے اسے یہ لو لگی ہوتی ہے کہ اپنی خود مختاری کا دائرہ وسیع کر کے اپنے نفس کی تکمیل کرے بات تو سیدھی سی معلوم ہوتی ہے مگر پہلے پہل جو تجربے ہوتے ہیں انھیں سے اس کا پیچیدہ اور تکلیف دہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے وحدت ہماری فطرت اور ہماری اخلاقی زندگی کا خاصہ ہے تو ہوا کرے ہمیں اپنے دل میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ بہت سی لہریں ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد اٹھا کرتی ہیں ان سب میں ہمیں اپنے نفس کا شعور ہوتا ہے مگر تمام باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمیں ان میں انتخاب سے کام لینا چاہیئے ہم بھی جید ماہر تعلیمات فارسٹر کے ہم زبان ہو کر پوچھتے ہیں، اے نوجوان تو کہتا ہے کہ تو اپنی مرضی کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے اپنی خودی کو حقیقت کا جامہ پہنانا چاہتا ہے مگر یہ تو بتا کہ تو اپنی خودی کے کس حصے کو حقیقت کا جامہ پہنائے گا؟ اس کا کونسا حصہ بہتر اور برتر ہے۔ وہ جس کا مرکز تیری عقلی قوت ہے یا وہ جو تیری فطرت کے پست ترین طبقے یعنی حیات سے وابستہ ہے؟ اگر یہ سچ ہے کہ جماعت اور فرد کی ترقی اس کا نام ہے کہ روحانیت کو روز بروز فروغ ہو اور روح کو مادے پر کامل غلبہ حاصل ہو جائے تو ظاہر ہے کہ ہمیں انتخاب میں شبہ یا تامل نہیں ہوگا البتہ عمل کرنے کی قوت چاہیئے اور کام بھی سہل نہیں ہے۔ شاید آپ یہ جواب دیں" مگر میں تو انتخاب کی ضرورت نہیں سمجھتا میں تو اپنے نفس کو بہ حیثیت ایک ہم آہنگ اور منظم کل کے حقیقت کا جامہ پہنانا چاہتا ہوں اچھا یوں ہی سہی مگر یہ یاد رکھنا کہ خود یہ ارادہ ایک انتخاب ہے کیونکہ ہم آہنگی قائم

کرنے کے لئے نزاع اور انتشار کو دور کرنا پڑتا ہے گوئٹے کا قول ہے "مر کر نہیں زندگی حاصل کر" اور یہ محض صدائے بازگشت ہے ان الفاظ کی جو انیس سو سال پہلے مسیح نے کہے تھے' یہ تحقیق میں تم سے کہتا ہوں جب تک گیہوں کا دانہ زمین پر گر کر فنا نہ ہو جائے وہ اکیلا رہتا ہے مگر فنا ہونے کے بعد وہ خوب پھلتا ہے"۔

موسیو گابریل سیائیے لکھتے ہیں' ہم آدمی بننا چاہتے ہیں یہ بات کہنے میں تو سہل ہے مگر حق ہمیشہ فرض کی صورت اختیار کر لیتا ہے ایسے سخت فرض کی جس میں ہر شخص کم و بیش قاصر رہتا ہے ہم بہت اکڑ کر کہتے ہیں کہ ہم آزاد ہونا چاہتے ہیں اگر آزادی سے مراد ہے جو جی چاہے وہ کرنا یعنی جبلی خواہشات کی غلامی تو ہمیں اس پر اس قدر فخر کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر سچی آزادی مراد ہے تو ہمیں کمر باندھ کر اس لڑائی کے لیے تیار ہو جانا چاہیئے جو کبھی ختم نہیں ہو گی ہم اپنی وحدت کا اپنی شخصیت کا اپنی آزادی کا ذکر کرتے ہیں اور بڑے فخر سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم خدا کے لافانی بیٹے ہیں۔ مگر افسوس! جب ہم اس نفس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں تو وہ ہاتھ نہیں آتا بلکہ بہت سے بے ربط اجزا میں تحلیل ہو جاتا ہے جو ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔ متضاد خواہشات اس کے اندر انتشار پیدا کرتی ہیں اور انھیں خواہشات سے وہ مرکب ہے۔ اس کے مخصوص جوہر کے علاوہ اس کی حقیقت سوائے ان تعصبات کے جو اس پر غالب ہیں اور ان تحریصات کے جو اسے لبھاتی ہیں اور کچھ نہیں۔ اس کی مفروضہ آزادی اصل میں غلامی ہے جو اسے محسوس نہیں ہوتی اور اسی لئے وہ اس کا مقابلہ نہیں کرتا"۔

روئیسن کہتا ہے" ضبط نفس وہ نیکی ہے جو سکون و اطمینان سے معمور ہے مگر نفس پرستی ایک اجنبی مہمان کو بلا لاتی ہے جس سے ہلاکت کا خطرہ ہے خواہش نفس کا ظہور یوں تو ہر عمر میں تکلیف دہ ہوتا ہے مگر جوانی میں تو یہ خطرہ ہے کہ وہ انسان کو

وضع فطرت سے بالکل منحرف کر دے یعنی قوت ارادی اور حیات کے توازن کو ناقابل تلافی طور پر بگاڑ نہ دے ایک لڑکا جو پہلی بار کسی عورت سے خواہ وہ کوئی بھی ہو وقتی دلچسپی کے طور پر صحبت کرتا ہے وہ اصل میں اپنی جسمانی، ذہنی اور اخلاقی زندگی کو جوکھم میں ڈال رہا ہے وہ نہیں جانتا کہ کل اس کا اثر اسے اپنے گھر میں اپنے کام میں اپنی معاشرتی زندگی میں نظر آئے گا، وہ نہیں جانتا کہ حسی لذت کا انکشاف کیونکر بھوت بن کر اس کے پیچھے پڑ جائیگا اسے حقیقی معنی میں اپنا بندہ بنالے گا اور یہ بندگی ایسی ہوگی جس سے نجات کی آس نہیں ہم نے بہت سی زندگیاں دیکھی ہیں جن سے ابتدا میں بڑی بڑی امیدیں تھیں مگر آگے چل کر برباد ہوگئیں اور ان کی پہلی ناکامی کی گھڑی وہی تھی جو ان کی پہلی اخلاقی لغزش کی تھی"۔

"شاعر کے مشہور اشعار میں فلسفی کے ان الفاظ کا مضمون یوں ادا کیا گیا ہے:۔

انسان کی اچھوتی روح ایک گہرے برتن کی طرح
ہے اگر وہ پہلے قطرے جو اس میں ڈالے جائیں ناپاک ہوں
تو پھر چاہے اسے سات سمندروں کے پانی سے دھویا
اس کی اتھاہ گہرائی کسی طرح پاک نہیں ہو سکتی"۔

گلاسگو یونیورسٹی کے عضویات کے پروفیسر جان جی ایم کنیڈرک کی نصیحت بھی اس سے کم اہم نہیں "جذبہ شہوانی کو جو نیا نیا پیدا ہوتا ہے ناجائز طور پر تسکین دینا نہ صرف اخلاقی جرم ہے بلکہ جسم کے لئے بھی نہایت مضر ہے یہ نئی ضرورت اگر پوری کر دی جائے تو ظالم حاکم کی طرح سر پر سوار ہو جاتی ہے مجرمانہ مروت سے کام لے کر انسان اس کی اطاعت کرتا ہے اور اسے اور بھی تحکم پسند بنا دیتا ہے ہر نئے فعل سے عادت کی زنجیر میں ایک اور کڑی بڑھ جاتی ہے۔

"بہتوں میں اسے توڑنے کی طاقت نہیں رہتی اور بے بسی کی حالت میں ان کا

خاتمہ جسمانی اور ذہنی تباہی پر ہوتا ہے وہ اس عادت کے غلام بن کر رہ جاتے ہیں جو اکثر بدی کی وجہ سے نہیں بلکہ جہالت کی وجہ سے پڑ جاتی ہے اس سے محفوظ رہنے کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ انسان اپنے خیالات کو پاک رکھے اور اپنی ساری زندگی کا انضباط کرے۔

اس کے بعد موسیو بورو ڈاکٹر ڈیس کا نند کا یہ قول نقل کرتے ہیں "رہی جنسی خواہش سو ہمارا دعویٰ ہے کہ عقل و ارادے کو اس پر پورا پورا قابو حاصل ہے۔ یہ ضروری ہے کہ جنسی حاجت کا نہیں بلکہ جنسی خواہش کا لفظ استعمال کیا جائے کیونکہ یہ کوئی عضوی وظیفہ نہیں ہے جس کے پورے ہونے پر انسان کی زندگی موقوف ہو۔ حقیقت میں یہ کوئی حاجت نہیں ہے مگر بہت سے لوگوں نے اسے حاجت سمجھ رکھا ہے وہ اس خواہش کو جس نظر سے دیکھتے ہیں اس کی وجہ سے ان کے نزدیک جماع اشد ضروری چیز ہے ہم تو ہرگز اس فعل کو فطری قوانین کی اضطراری اور انفعالی اطاعت کا نتیجہ نہیں سمجھتے بلکہ ہمارے خیال میں وہ ایک فعل اختیاری ہے جو اپنے قصد یا اپنی مرضی سے کیا جاتا ہے اور اکثر اس کی تجویز اور تیاری پہلے سے ہوتی ہے۔"

(۶)

شادی سے پہلے اور ازدواجی زندگی میں پاکدامنی پر زور دینے اور زبردست دلائل سے یہ ثابت کرنے کے بعد کہ ضبط نفس بجائے ناممکن یا مضر ہونے کے سراسر ممکن اور جسم اور نفس کے لئے مفید ہے موسیو بورو ایک پورے باب میں دائمی ترک خواہشات کے امکان اور قدر و قیمت سے بحث کرتے ہیں اس کا پہلا پیراگراف اس قابل ہے کہ یہاں نقل کیا جائے۔

"ان نجات دہندوں، ان سچی جنسی آزادی کے سرداروں کی صف اول میں جگہ پانے کے مستحق وہ نوجوان مرد اور عورتیں ہیں جنہوں نے زیادہ یکسوئی کے ساتھ کسی بڑے مقصد کی خدمت کرنے کی غرض سے یہ پسند کیا ہے کہ عمر بھر پاک دامن رہیں اور

شادی کی مسرتوں سے ہاتھ دھوئیں۔ ان کے اس ارادے کے اسباب حالات کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں کسی نے اپنا فرض سمجھا ہے کہ بیمار ماں یا باپ کی تیمارداری کرے کوئی یتیم بھائیوں اور بہنوں کے لیے والدین کی جگہ پر ہے کوئی اپنی زندگی سائنس یا آرٹ یا غریبوں کی خدمت یا اخلاقی تعلیم یا عبادت کے لئے وقف کرنا چاہتا ہے یا چاہتی ہے اسی طرح اس اختیاری ایثار کے مدارج ہوتے ہیں...... کچھ لوگ معقول تعلیم کی برکت سے جو انھیں برے خیالات سے بچاتی ہے اور عمدہ اخلاقی حفظان صحت کے اصول پر عمل کرنے کی بدولت جنسی تحریکات سے قریب قریب آزاد ہوتے ہیں بعض جو نیکی کی راہ میں آگے بڑھے ہوئے ہیں بعض صورتوں میں سخت کشمکش کے بعد جس کی شدت کو وہی خوب جانتے ہیں اپنی بہیمیت کو مغلوب کرنے اور اپنے جسم پر فتح پانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ بہرحال ان سب مردوں اور عورتوں نے ایک ہی بات دل میں ٹھان رکھی ہے۔ انھوں نے یہ سمجھ لیا ہے ان کے لیے خدمت خلق کی بہترین صورت یہ ہے کہ شادی نہ کریں اور اپنے آپ سے یا اپنے خدا سے عہد کر لیا ہے کہ ساری عمر پاکدامنی سے بسر کر دیں گے تاکہ شادی کا فرض بالکل صاف ہو جس میں شبہ کی گنجائش نہیں پھر بھی بعض صورتوں میں جیسا ہم آگے چل کر دیکھیں گے تجرد کا عزم یقیناً جائز ہے کیونکہ اس کا محرک ایک پاک اور برتر مقصد ہے جب لوگوں نے میکائیل انجیلو کو شادی کرنے کی رائے دی تو اس نے کہا "مصوری بڑی رشک پسند محبوبہ ہے وہ سوکن کی روادار نہیں ہے"

میں اس شہادت کی تصدیق میں بہت سے یورپی حضرات کے تجربات پیش کر سکتا ہوں جو ہمیشہ ترک خواہش پر عامل رہے اور جن کا ذکر ڈوسیو بورو نے کیا ہے۔ ... تو بس ہندوستان ہی میں ہوتا ہے کہ بچپن سے شادی کا چرچا ہونے لگے۔ ماں باپ کے دل میں سوائے اس کے کوئی خیال ہی نہیں کوئی حوصلہ نہیں ہوتا کہ ایک تو اپنے بچوں

کا سہارا دیکھ لیں دوسرے ان کے کھانے پینے کا کچھ بندوبست کر جائیں ان میں سے پہلی
چیز کا تو یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ان کے جسم اور نفس میں قبل از وقت گھن لگ جاتا ہے اور
دوسری کی بدولت وہ کاہلی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اکثر طفیلی بن کر رہ جاتے ہیں۔ ہم
لوگ پاک دامنی اور اختیاری افلاس کی مشکلات میں بہت مبالغہ کرتے ہیں' ان باتوں
کو بڑا کمال سمجھتے ہیں' انھیں مہاتماؤں اور جوگیوں کے لیے مخصوص قرار دیتے ہیں اور
ان لوگوں کو معمولی زندگی کے دائرے سے باہر جانتے ہیں۔ ہمیں یہ بات یاد نہیں رہتی
کہ جس زندگی کی معمولی سطح اس قدر پست ہو اس میں سچے مہاتماؤں اور جوگیوں کا ہونا
قیاس میں بھی نہیں آسکتا۔ قاعدہ ہے کہ بدی خرگوش کی طرح تیزی سے دوڑتی ہے اور
نیکی کچھوے کی طرح بہت استقلال سے مگر آہستہ آہستہ قدم رکھتی ہے چنانچہ مغرب کی
عیش پرستی ہمارے یہاں بجلی کی رفتار سے پہنچ گئی ہے اس نے اپنی گوناگوں دلفریبیوں
سے ہماری آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے اور زندگی کی حقیقتوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ مغرب
کی جو برکتیں ہر لحظہ تار برقی کے ذریعے ہم پر نازل ہوتی رہتی ہیں اور جو نعمتیں ہر روز دخانی
جہازوں کے مال کی صورت میں ہمارے ساحلوں پر اترا کرتی ہیں ان کے سامنے ہمیں
پاک دامنی کے نام سے شرم سی آتی ہے اور اختیاری افلاس جرم سا معلوم ہوتا ہے
مغرب میں بھی عفت کا خزانہ موجود ہے جو چھوٹا سہی مگر کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ اور
جن لوگوں کو خدا نے چشم بصیرت دی ہے وہ اس کی پر فریب سطح کے نیچے تک دیکھ
سکتے ہیں یورپ کے صحرا میں جابجا نخلستان موجود ہیں جن سے پینے والے خالص
آب حیات پی سکتے ہیں وہاں سیکڑوں مرد اور عورتیں بے تکلفی گھربار سے لیے
باتیں بنائے پاکدامنی اور اختیاری افلاس برتتے ہیں اور اکثر محض اس سبب سے
جو اپنی جگہ بہت کافی ہے کہ کسی اپنے پیارے کی یا ملک کی خدمت میں زندگی
بسر کریں۔ ہم اکثر روحانیت کے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں گویا اسے زندگی

کے معمولی کاروبار سے کوئی تعلق نہیں اور یہ محض ان زاہدوں کے لئے مخصوص ہے جو ہمالیہ پہاڑ کے جنگلوں میں روپوش ہیں یا غاروں میں چھپے بیٹھے ہیں۔ وہ روحانیت جو روزمرہ زندگی سے بے تعلق ہے اور اس پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی محض ایک بیکر خیالی ہے جن نوجوان مردوں اور عورتوں کے لئے "ینگ انڈیا" ہر ہفتہ چھپا کرتا ہے انھیں یہ جان لینا چاہیئے کہ اگر وہ اپنے آس پاس کی فضا کو پاک کرنا اور اپنی کمزوری کو دور کرنا چاہتے ہیں تو وہ ہمیشہ پاک دامن رہیں اور یہ بات اتنی مشکل نہیں ہے جتنی وہ سمجھتے آئے ہیں۔

سنئے موسیو بورو اور کیا فرماتے ہیں :- "جوں جوں وہ (یعنی جدید عمرانیات) ہمارے آداب معاشرت کی ارتقا پر نظر ڈالتی ہے اور علمی مطالعہ اجتماعی حقیقتوں کا کھوج لگاتا ہے یہ بات ثابت ہوتی جاتی ہے کہ دائمی پاک دامنی برتنے سے حیات کے انضباط میں جو بہت بڑا کام ہے کس قدر مدد ملتی ہے مانا کہ شادی انسانوں کی بہت بڑی اکثریت کے لئے زندگی کی طبعی حالت ہے مگر سب لوگ تو شادی کر نہیں سکتے اور انھیں کرنا چاہیئے اگر ہم ان خاص ہستیوں سے جن کا ذکر ہو چکا ہے قطع نظر بھی کرلیں تو کنواروں کی تین قسمیں ایسی ہیں جو شادی نہ کرنے کی وجہ سے مورد الزام نہیں قرار پا سکتیں ایک تو وہ نوجوان مرد اور عورتیں جو معاشی یا کاروباری اسباب کی بنا پر شادی کو ملتوی کرنا فرض سمجھیں دوسرے وہ لوگ جنھیں مناسب شریک زندگی نہ ملنے کی وجہ سے مجبوراً کنوارا رہنا پڑتا ہے۔ تیسرے وہ جنھیں بعض عضویاتی نقائص کی وجہ سے جو وراثت سے منتقل ہو سکتے ہیں۔ شادی سے پرہیز کرنا چاہیئے بلکہ بعض اوقات تو اس کا خیال تک دل سے نکال دینا چاہیئے ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ترک نکاح میں جو خود ان کی راحت اور معاشرت کے مقاصد دونوں کے لحاظ سے ضروری ہے ان لوگوں کا رنج اور بھی گھٹ جائے گا اور خوشی اور بھی بڑھ جائے گی جب

وہ دیکھیں گے کہ ہمارے علاوہ دوسرے بھی ہیں جنھوں نے باوجود کامل جسمانی اور ذہنی قوت کے اور بعض صورتوں میں باوجود مقدرت کے یہ عزم کرلیا ہے کہ ساری عمر شادی نہ کریں گے۔ ان اختیاری کنواروں اور کنواریوں کا جنھوں نے اپنی زندگی کو پوری طرح خدا کی نذر یعنی عبادت اور تہذیب نفس کے لیے وقف کردیا ہے' یہ دعویٰ ہے کہ ان کی آنکھوں میں ترک نکاح زندگی کی پست حالت کا نہیں بلکہ بلند حالت کا نام ہے جس میں انسان بخوبی ثابت کردیتا ہے کہ ارادہ جبلت پر غالب آسکتا ہے۔

مصنف کہتا ہے" دائمی تجرد لڑکوں اور لڑکیوں پر جن کی ابھی شادی کی عمر نہیں ہے یہ ثابت کردیتا ہے کہ جوانی کا زمانہ پاک دامنی کے ساتھ بسر کرنا ممکن ہے۔ ان لوگوں کو جن کی شادی ہوچکی ہے یہ فرض یاد دلاتا ہے کہ ازدواجی تعلقات میں پورا پورا ضبط قائم رکھیں اور اپنی ذاتی غرض کو خواہ وہ بجائے خود جائز ہی کیوں نہ ہو ہرگز ہرگز اخلاقی عالی ظرفی اور وفاداری کے بلند ترمطالبات پر غالب نہ آنے دیں"۔

فارسٹر کہتا ہے" تجرد کے عہد سے شادی کی تحقیر مطلق نہیں ہوتی بلکہ یہ تو نکاح کے عہد کا سب سے بڑا پشت پناہ ہے اس لیے کہ اس کی بدولت انسان کا اپنی فطرت کے دباؤ سے آزاد ہونا محسوس شکل میں نظر آجاتا ہے یہ من کی موجوں اور خواہش نفس کے حملوں کے مقابلے میں ضمیر کا کام دیتا ہے۔ تجرد بھی شادی کے لیے ایک زرہ ہے اس معنی میں کہ اس کی وجہ سے بیاہے لوگ اپنے آپ کو ازدواجی تعلقات میں محض پوشیدہ فطری قوتوں کا غلام سمجھنے سے محفوظ رہتے ہیں اور فطرت کے مقابلے میں کھلم کھلا فاعل مختار بن کر کھڑے ہوجاتے ہیں جن میں اس پر غلبہ پانے کی قوت ہے۔ جو لوگ دائمی تجرد کو غیر فطری سمجھ کر اس کا مضحکہ اڑاتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ جس طرز خیال کی رو سے وہ اس طرح

کی باتیں کہتے ہیں اس کا لازمی نتیجہ عیاشی اور تعدد ازدواج ہے۔ اگر فطرت کا تقاضا اٹل ہے تو پھر بیاہے لوگوں سے ضبط نفس کی توقع کیوں کر کی جا سکتی ہے؟ پھر وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ بہت سی شادیوں میں میاں بیوی میں سے ایک کو دوسرے کی علالت یا کسی اور معذوری کی وجہ سے مہینوں، برسوں بلکہ کبھی کبھی ساری عمر حقیقی تجرد کی زندگی بسر کرنا پڑتی ہے یہی ایک ثبوت کافی ہے کہ سچی وحدت ازدواج کا دار و مدار اس پر ہے کہ تجرد کی قدر و قیمت کیا سمجھی جاتی ہے۔

(۷)

دائمی ضبط نفس کے متعلق جو باب ہے اس کے بعد کے ابواب میں نکاح کے فرض اور اس کے ناقابل انفساخ ہونے کی بحث ہے مصنف کہتا ہے کہ سب سے بہتر حالت تو دائمی ضبط نفس ہے مگر یہ عام لوگوں کے بس کی بات نہیں ان کے لیے تو نکاح کو فرض سمجھنا چاہیئے۔ اس لیے یہ دکھایا ہے کہ اگر نکاح کا اصل مقصد اور اس کی قیود صحیح طور پر سمجھ لی جائیں تو کوئی شخص مانع حمل تدابیر کی حمایت کا نام بھی نہ لے۔ موجودہ اخلاقی بے ضبطی کا سبب غلط اخلاقی تربیت ہے۔ ان اہل علم کے خیالات کی تردید کرنے کے بعد جنھوں نے نکاح کا مضحکہ اڑایا ہے مصنف لکھتا ہے:۔

"آئندہ نسلوں کی خوش قسمتی سمجھیئے کہ یہ خیال محض جھوٹے معلمین اخلاق کا اور ان لوگوں کا ہے جو اخلاقی حس سے بلکہ اکثر حقیقی ادبی ذوق سے بھی کورے ہوتے ہیں ہمارے زمانے کے سچے ماہرین نفسیات اور ماہرین عمرانیات کی ہرگز یہ رائے نہیں، اخباروں اور ناولوں اور تھیٹروں کی پر شور دنیا اور اس دوسری دنیا میں جہاں فکر کی تربیت ہوتی ہے اور ہماری نفسیاتی اور عمرانی زندگی کی پر اسرار جزویات کا مطالعہ کیا جاتا ہے جتنا اختلاف اس بارے میں ہے کسی اور چیز میں نہیں"

اس کے بعد سوسیو لوروان دلیلوں کی تردید کرتے ہیں جو بے قید محبت کے حق میں پیش

کی جاتی ہیں انھیں موڈسٹن کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ "شادی نام ہے مرد اور عورت کے اتحاد کا، عمر بھر کی رفاقت کا، قانون الٰہی اور انسانی قانون کے حقوق کے یکجا ہو جانے کا شادی محض "دیواتی کا معاہدہ" نہیں ہے بلکہ "ایک مقدس رسم ایک اخلاقی ذمہ داری ہے اس نے یہ کام کر دکھایا کہ بندر کو دو پیروں پر کھڑا کر دیا (یعنی انسان بنا دیا)" یہ سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے کہ جن لوگوں کی باضابطہ شادی ہو جاتی ان کے لئے سب کچھ جائز ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ اگر میاں بیوی عام طور پر توالد و تناسل کے بارے میں اخلاقی قانون کی پابندی کر سکتے ہیں تو ان کے لئے جائز ہے کہ اس کے علاوہ صحبت کے اور طریقے جو ان کا جی چاہے اختیار کریں۔ اس قدغن سے خود ان کا بھی فائدہ ہے اور معاشرے کا بھی جس کے قیام اور نشو و نما کا دار و مدار شادی پر ہے"۔ مصنف کی رائے میں "شادی نے جنسی جبلت کو جن ضابطوں میں جکڑ رکھا ہے ان سے انحراف کے نت نئے نئے موقعے جو نکلتے آتے ہیں سچی محبت کے لئے دائمی خطرہ کا باعث ہیں۔ اس خطرے کو دور کرنے کے لئے نگرانی کی ضرورت ہے کہ جنسی خواہش کا پورا ہونا ان حدود کے اندر ہو جو خود شادی کے مقصد نے مقرر کر دی ہیں بسینٹ فرانسس آف سلیس کہتے ہیں "قوی اثر دواؤں کا استعمال بہت خطرناک چیز ہے کیونکہ اگر ان کی مقدار زیادہ ہو جائے یا ان کی ترکیب ٹھیک نہ ہو تو بہت نقصان ہوتا ہے شادی کو مذہبی اور متبرک رسم بنانے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ زناکاری کی دوا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بڑی اچھی دوا ہے مگر اسی کے ساتھ بے حد قوی اثر ہے اس لئے اگر احتیاط سے استعمال نہ کی جائے تو بہت خطرناک ہے"

اس کے بعد مصنف اس نظریے کی مخالفت کرتا ہے کہ فرد کو اپنی مرضی سے نکاح کرنے اور توڑنے کی یا حظ نفس کی زندگی بغیر اس کی ذمہ داریوں کے بسر کرنے کی آزادی حاصل ہے۔ وہ وحدت ازدواج پر زور دیتے ہوئے کہتا ہے:-

"یہ کہنا غلط ہے کہ فرد آزاد رہے چاہے شادی کرے چاہے خود غرضانہ تجرد کی

زندگی بسر کرے۔ اب رہے وہ لوگ جن کی شادی ہو گئی ہے وہ اور بھی کم اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ آپس کی رضامندی سے اپنا نکاح فسخ کر دیں ان کی آزادی اس وقت ظاہر ہوئی تھی جب انھوں نے ایک دوسرے کو پسند کیا تھا ہر شخص کا فرض ہے کہ پوری پوری واقفیت کے بعد اچھی طرح غور کر کے اپنے رفیق حیات کا انتخاب کرے جس کے ساتھ مل کر وہ اپنی نئی زندگی کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا سکتا ہے لیکن جب ایک بار نکاح ہو گیا اور اس کی تکمیل بھی ہو گئی تو اب اس کے فعل کے ساتھ بے اندازہ نتائج وابستہ ہو جاتے ہیں جو ہر طرف بڑی دور تک پہنچتے ہیں۔ ان کا دائرہ ان دو شخصوں کی ذات سے کہیں آگے بڑھ جاتا ہے جن سے یہ عمل میں آیا تھا ممکن ہے یہ نتائج بے اصول انفرادیت کے زمانے میں جیسا کہ آج کل ہے خود میاں بیوی کو نظر نہ آئیں مگر ان کی اہمیت کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ جیسے ہی گھریلو زندگی کا توازن بگڑا جیسے ہی یک زنی[1] کے مفید ضابطے کی جگہ خواہش نفس کا قدم آیا، ساری ہیئت اجتماعی کو شدید ضرر پہنچ جاتا ہے، جو شخص ان غیر محدود اثرات سے، ان نازک رابطوں سے واقف ہے وہ اس بات کو سن کر نہیں ڈرتا کہ جہاں اور تمام انسانی ادارے عالمگیر قانون ارتقا کے ماتحت ہیں وہاں شادی میں بھی ضروری تغیرات لازم ہیں کیونکہ اسے یقین ہے کہ اس معاملے میں جو کچھ ترقی ہو گی وہ ہر پھر کر نکاح کے رشتہ کو اور مضبوط کر دے گی۔ آج کل جب کہ باہمی رضامندی سے طلاق کا مطالبہ ہو رہا ہے نکاح کے ناقابل انفساخ ہونے کی جتنی مخالفت کی جائے گی رفتہ رفتہ اتنی ہی اس قاعدے کی معاشرتی قدر وقیمت روشن ہوتی جائے گی اور یہ دستور جو صدیوں تک محض ایک مذہبی ضابطہ سمجھا جاتا تھا کیونکہ اس کی معاشرتی اہمیت ابھی تک سمجھ میں نہیں آئی تھی، ایک ایسا اصول

---

[1] ایک مرد کا صرف ایک عورت سے شادی کرنا اور اس کے سوا کسی سے جنسی تعلقات نہ رکھنا۔

معلوم ہونے لگے جو فرد کے لئے بھی سود مند ہے اور عام معاشرے کے لیے بھی مفید ہو۔
"نکاح کے ناقابل انفساخ ہونے کا قاعدہ کوئی من مانی چیز نہیں جو زیبائش کا کام دیتی ہو بلکہ یہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تار و پود میں شامل ہو لوگ ارتقا کا ذکر بہت کیا کرتے ہیں انھیں یہ بھی تو سوچنا چاہیئے کہ نوع انسانی کی یہ غیر معین ترقی جس کی خواہش سبھی کو ہے کیونکر ممکن ہے۔ فارسٹر لکھتا ہے" ذمہ داری کے احساس کا گہرا ہونا، فرد کا یہ تربیت حاصل کرنا کہ خود ساختہ ضابطوں کی پابندی اپنی خوشی سے کرے، صبر اور کرم میں اضافہ، خود غرضی کی روک تھام، جذباتی زندگی کو خواہش نفس کی عارضی لہروں اور انتشار کی قوتوں سے محفوظ رکھنا یہ سب انسان کی داخلی زندگی کے وہ عناصر ہیں جن کے متعلق ہم بجا طور پر کہ سکتے ہیں کہ اعلیٰ اجتماعی تہذیب کے لوازم ہیں اور اسی وجہ سے ان پر اس ابتری کا کوئی اثر نہیں پڑتا جو معاشی حالات میں کوئی غیر معمولی تغیر واقع ہونے سے پیدا ہو جاتی ہے بلکہ سچ پوچھئے تو معاشی ترقی خود عام معاشرتی ترقی سے وابستہ ہو اس لیے کہ معاشی امن اور کامیابی کا دارومدار اصل میں ہمارے معاشرتی اتحاد عمل کی سچائی اور خلوص پر ہو۔ ہر معاشی تغیر جو ان بنیادی اصولوں کو نظر انداز کرتا ہے خود ہی اپنی تردید کر دیتا ہے اس لیے اگر ہم اخلاقی اور عمرانی پہلو سے جنسی تعلقات کے مختلف طریقوں کی حقیقی قدر و قیمت پر غور کرنا چاہتے ہیں تو سارا فیصلہ اس سوال کے جواب پر منحصر ہے ہماری پوری معاشرتی زندگی کی توسیع اور تقویت کے لیے کون سا طریقہ سب سے مناسب ہو؟ کس میں سب سے زیادہ اس کا امکان ہو کہ عمر کے مختلف مدارج میں ذمہ داری بے نفسی اور ایثار کا زیادہ سے زیادہ احساس پیدا کرے، بے ضبط خود غرضی اور لاابالی پن کو سب سے موثر طریقے سے روکے؟ جب معاملے پر اس نقطۂ نظر سے غور کیا جائے تو اس میں ذرا سا بھی شبہ نہیں رہتا کہ یک زنی اپنی معاشرتی اور تعلیمی قدر کی بناء پر لازمی طور سے

ہر اعلیٰ تہذیب کا دائمی اصول بن کر رہے گی۔ سچی ترقی سے نکاح کا رشتہ ڈھیلا نہیں ہوگا بلکہ اور کس جائے گا ...... خاندان ہی وہ مرکز ہے جہاں انسان معاشرتی زندگی کے لیے ہر قسم کی تیاری کرتا ہے یعنی ذمہ داری، ہمدردی، ضبطِ نفس، باہمی رواداری اور باہمی تربیت سیکھتا ہے اور خاندان کو مرکزی حیثیت اسی وجہ سے حاصل ہے کہ اس کے تعلقات عمر بھر قائم رہتے ہیں، اور ناقابلِ انفساخ ہوتے ہیں اور اس استقلال کی بدولت مشترک خاندانی زندگی اسقدر گہری، مستحکم اور انسانوں کے باہمی روابط کے لئے موزوں ہو جاتی ہے کہ کوئی اور زندگی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہم کہ سکتے ہیں کہ یک زنی کا اصول انسان کی معاشرتی زندگی کا اخلاقی معیار رہے۔"

اس کے بعد وہ آگست کونت کا قول نقل کرتے ہیں" ہماری طبیعتوں میں اس قدر تلون ہے کہ ان ہی کی موجوں کو قابو میں رکھنے کے لیے معاشرے کی مداخلت ضروری ہے ورنہ یہ انسانی زندگی کو اس قدر پست کر دیں گی کہ وہ ادنیٰ اور بے معنی تجربات کا ایک سلسلہ بن کر رہ جائے گی۔"

ڈاکٹر بولوز لکھتے ہیں" ایک بے سروپا خیال جو اکثر شادی شدہ لوگوں کی مسرت میں خلل ڈالتا ہے یہ ہے کہ عشق کی جبلت ایک ظالم بادشاہ کی طرح ہے جس کی خوشی پوری کرنا ہی پڑتی ہے چاہے جو کچھ بھی انجام ہو........ حالانکہ انسان کی خصوصیت اور اس کی ارتقا کا صحیح مقصد ہی یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات کی غلامی سے روز بروز آزاد ہوتا جائے۔ بچے رفتہ رفتہ اپنی روزمرہ کی حاجتوں اور اپنے جذبات کو قابو میں لانا سیکھتے ہیں۔ یہ اصول جو اچھی تربیت میں ہمیشہ مدنظر رہتا ہے کوئی من گھڑت چیز نہیں جو عملی زندگی سے بے تعلق ہو کیونکہ ہماری فطرت کی ارتقا کا عین مقصد یہی ہے کہ وہ ہمارے ان شخصی رجحانات کے تابع ہو جائے جنھیں ارادہ کہتے ہیں جن ۔ بوں کا نام ہم نے "طبیعت" یا "مزاج" رکھ چھوڑا ہے! وہ اصل میں بجز ارادے کی کمزوری

کے اور کچھ نہیں جو شخص واقعی مضبوط ارادہ رکھتا ہے وہ اپنی قوتوں سے صحیح وقت پر کام لینا جانتا ہے"۔

(۸)

اب ہمیں اس سلسلہ کو ختم کرنا ہے کوئی ضرورت نہیں کہ ہم موسیو بورو کی اس تنقید کا بھی ذکر کریں جو انھوں نے مالتھس کے نظریئے پر کی تھی جس نے اپنے ہم عصروں میں افراط آبادی کے مسئلے اور اس اصول کی حمایت سے ہلچل ڈال دی تھی کہ اگر نوع انسانی کو ہلاکت سے بچانا ہے تو انضباط ولادت پر عمل کرنا چاہیئے خود مالتھس نے تو اس کا علاج ضبط خواہش تجویز کیا تھا مگر نو مالتھوسی ضبط خواہش کے قائل نہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ بہمی کثرت جماع کے نتائج سے بچنے کے لیے آلات سے اور کیمیاوی ذرائع سے کام لیا جائے۔ موسیو بورو اس کی دل سے تائید کرتے ہیں کہ انضباط ولادت اخلاقی ذرائع سے یعنی ضبط نفس سے کیا جائے اور آلات اور کیمیاوی ذرائع کے استعمال کی نہایت سختی سے مخالفت کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ مزدوروں کی حالت ان کی شرح ولادت پر نظر ڈالتے ہیں اور خاتمہ کتاب میں یہ دکھاتے ہیں کہ انفرادی آزادی اور انسانی ہمدردی کے نام سے کیسی کیسی اخلاق سوز حرکتیں کی جاتی ہیں۔ وہ رائے عامہ کی رہنمائی اور نگرانی کے لئے منظم کوشش کی رائے دیتے ہیں، ریاست کی مداخلت کی حمایت کرتے ہیں مگر آخر میں سب سے قابل وثوق تدبیر اسے سمجھتے ہیں کہ مذہبی احساس کو زندہ کیا جائے، اخلاقی دوائے کو دور کرنے یا روکنے کے لیے معمولی طریقے کافی نہیں ہیں خصوصاً اس صورت میں جب بدکاری نیکی سمجھی جاتی ہو اور پاکدامنی کمزوری، ضعیف الاعتقادی بلکہ بداخلاقی کہلاتی ہو۔ اس لئے کہ مانع حمل تدابیر کے بہت

لہ وہ لوگ جنھوں نے مالتھس کے نظریئے میں ترمیم کرکے اسے از سر نو ترتیب دیا ہے۔

سے حامی واقعی ضبط خواہش کو غیر ضروری بلکہ مضر قرار دیتے ہیں۔ اس صورت میں مذہب کی مدد کے سوا باضابطہ بدکاری کے روکنے کی کوئی موثر تدبیر نہیں ہے یہاں مذہب کا لفظ تنگ اور محدود معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے۔ سچا مذہب زندگی میں خواہ وہ انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی سب سے زیادہ موثر چیز ہے۔ مذہب کا جذبہ دل میں پیدا ہونا ایک انقلاب ہے ایک کایا پلٹ ہے ایک نئی زندگی ہے۔ ایسی موثر قوت محرکہ کے سوا موسیو بورو کے خیال میں کوئی چیز بھی فرانس کو اس اخلاقی ہلاکت سے نہیں بچا سکتی جس کی طرف وہ قدم بڑھا رہا ہے۔

....

اب ہمیں مصنف سے اور ان کی کتاب سے رخصت ہو جانا چاہیئے ہندوستان کی وہ حالت نہیں ہے جو فرانس کی ہے۔ ہمارا مسئلہ کسی قدر مختلف ہے مانع حمل تدابیر کا رواج ہندوستان میں عام نہیں ہے تعلیم یافتہ طبقوں میں ان کا استعمال خال خال ہونے لگا ہے۔ میرے خیال میں تو جو وجوہ ان تدابیر کے استعمال کی بتائی جا سکتی ہیں ان میں سے ایک بھی ہمارے ملک میں موجود نہیں ہے۔ کیا متوسط طبقے کے لوگوں کو اولاد کی کثرت کی شکایت ہے؟ انفرادی مثالیں یہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں کہ متوسط طبقوں میں شرح ولادت بہت زیادہ ہے۔ میں نے ہندوستان میں لوگوں کو ان طریقوں کی حمایت صرف بیوہ عورتوں اور کم سن بیویوں کے معاملے میں کرتے ہوئے دیکھا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ پہلی صورت میں مقصود ناجائز اولاد سے پیچھا چھڑانا ہے، ناجائز تعلقات سے بچنے کی فکر نہیں اور دوسری صورت میں خوف صرف حمل کا ہے کم سن لڑکی سے جبراً صحبت کرنے میں کوئی ڈر نہیں۔ یا پھر ایک طبقہ مریض، کمزور، زنانے نوجوانوں کا ہے جو چاہتے ہیں کہ اپنی بیویوں سے یا دوسروں کی بیویوں سے صحبت کریں اور جس فعل کو وہ خود گناہ سمجھتے ہیں اس کے نتائج سے محفوظ رہیں، ایسے لوگ میرے نزدیک سارے

ہندوستان میں جو انسانوں کا سمندر ہے، بہت شاذ ہوں گے جو صحت اور قوت کی حالت
میں صحبت تو کرتے ہیں مگر بچوں کا بوجھ اٹھانا نہیں چاہتے ان لوگوں کو اپنی مثال پیش کر کے
اس عمل کی حمایت کرنے کا کوئی حق نہیں، جو اگر ہندوستان میں عام ہو جائے تو یقیناً سارے ملک
کے نوجوانوں کو تباہ کر کے رکھ دے گا۔ موجودہ تعلیم نے جس میں حد سے زیادہ تصنع ہے قوم کے
نوجوانوں کی جسمانی اور ذہنی قوت کو سلب کر لیا ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگ بچپن کی شادی کی
اولاد ہیں۔ صحت اور صفائی کے اصولوں سے غفلت کرنے کی وجہ سے ہمارے جسموں میں گھن
لگ گیا ہے۔ ہماری غلط اور ناقص غذاؤں نے جن میں نہایت گرم اور تیز مسالے پڑتے ہیں
ہمارے ہاضمے کو بے کار کر دیا ہے ہمیں منع حمل کی تدبیروں کی اور ان چیزوں کی جو ہماری بہیمی
خواہش کو پورا کرنے میں مدد دیں کوئی ضرورت نہیں۔ ہمیں تو یہ سبق رٹانے کی ضرورت ہے کہ
اپنی خواہش کو قابو میں رکھیں یہاں تک کہ بعض صورتوں میں اسے بالکل ترک کر دیں۔ ہمیں
قول سے اور مثال کے ذریعے سے یہ سکھانے کی ضرورت ہے کہ اگر ہمیں ذہنی اور جسمانی کمزوری
سے نجات پانا ہے تو ترک خواہش نہایت ضروری ہے اور یقیناً ممکن ہے ہم سے پکار پکار کر
کہنے کی ضرورت ہے کہ اگر ہم بونوں کی قوم نہیں رہنا چاہتے ہیں تو یہ لازم ہے کہ ہم اس تھوڑی بہت
قوت حیات کو جسے ہم روز ضائع کیا کرتے ہیں بچا کر رکھیں ہماری نوجوان رانڈوں سے یہ کہنے
کی ضرورت ہے کہ چھپ کر گناہ کرنے کی بجائے کھلم کھلا شادی کا مطالبہ کریں انھیں اس کا اتنا
ہی حق ہے جتنا نوجوان رنڈووں کو۔ ہمیں ایسی رائے عامہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ بچپن
کی شادی کا سد باب ہو جائے۔ تلون کی کیفیت، سخت اور مسلسل کام سے بد دلی، محنت اور
جفاکشی سے جسمانی معذوری، من چلے پن کاموں کا زور شور سے شروع ہو کر بیٹھ جانا، جدت
کی کمی غرض جو چیزیں ہم روزمرہ دیکھا کرتے ہیں ان کا سبب زیادہ تر جماع کی کثرت ہوتی
ہے۔ مجھے امید ہے کہ نوجوان اپنے دل کو اس خیال سے دھوکا نہیں دیتے ہوں گے کہ اگر
اولاد نہ ہو تو صحبت میں کوئی حرج نہیں۔ اس سے کمزوری پیدا نہیں ہوتی۔ واقعہ یہ ہے کہ

اع کا فعل، اگر اس خلاف فطرت تحفظ کے ساتھ کیا جائے جو حمل سے بچنے کے لئے ہوتا ہے
ہیں زیادہ ضعف پیدا کرتا ہے بہ نسبت اس کے کہ یہ پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ
ل میں آئے۔

" انسان کا ذہن بجائے خود ایک عالم ہے اور آپ ہی آپ دوزخ کو جنت اور جنت
کو دوزخ بنا دیتا ہے"

اگر ہم یہ سمجھنے لگیں کہ ہمارے لئے خواہش نفس کا بندہ بننا ضروری ہے اور اس میں کوئی
ضرر یا گناہ نہیں ہے تو ہم اس کی باگ ڈھیلی چھوڑ دیں گے اور پھر واقعی یہ ہمارے بس کے
ر کے گی لیکن اگر ہم تربیت کے ذریعے اپنے دل میں یہ خیال پیدا کرلیں کہ اس خواہش کی
بندی ہرگز ضروری نہیں بلکہ یہ باعث ضرر ہے گناہ ہے اور ہم اسے قابو میں رکھ سکتے ہیں
ہم پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ ضبط نفس بالکل ممکن ہے۔ ہمیں عیاشی کی اس تیز متراب سے
مغرب سے نئی حقیقت اور نام نہاد انسانی آزادی کے بھیس میں آتی ہے خبردار رہنا چاہیے
بلکہ اگر ہم اتنی ترقی کر گئے ہیں کہ اپنے بزرگوں کی قدیم حکمت سے بے نیاز ہیں تو ہمیں مغرب
ں کی اس ہوش افزا آواز پر کان دھرنا چاہیے جو اس کے دانشمندوں کے تجربات کے
ریعے سے کبھی ہم تک پہنچ جاتی ہے۔

جارلی اسٹڈریوز نے مجھے ایک پر از معلومات مضمون[1] " تولید اور تجدید" پر بھیجا ہے
و ولیم لافٹس ہیر کا لکھا ہوا ہے اور مارچ ۲۶ء کے رسالہ " اوپن کورٹ " میں شائع ہوا
ہے یہ ایک نہایت مدلل علمی مقالہ ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ تمام اجسام دو وظائف
دا کرتے ہیں یعنی ایک تو اندرونی تولید جسم کی تعمیر کے لئے دوسرے بیرونی تولید بقائے
سل کی غرض سے۔ ان عملوں کو وہ " تولید " اور " تجدید " کہتے ہیں۔ تجدید کا عمل یعنی اندرونی

---

[1] یہ مضمون کتاب کے آخر میں ضمیمے کے طور پر درج کیا جائے گا۔

تولید فرد کے لئے بنیادی اہمیت رکھتا ہے اس لئے یہ ضروری اور اولی ہے بیرونی تولید یا تناسل خلیوں کی افزونی سے ہوتا ہے اس لئے یہ ثانوی چیز ہے .... اس لیے اس درجے میں قانون حیات یہ ہے کہ بیضہ دان کے خلیوں کو پہلے تو تجدید کے لئے اور پھر تولید کے لئے غذا پہنچائی جائے۔ غذا کی کمی کی صورت میں تجدید کو مقدم سمجھنا چاہیئے اور تولید کو روک دینا چاہیے۔ اس سے یہ پتہ چل سکتا ہے کہ تولید کو روکنے کی ابتدا کیوں کر ہوئی اور اس کے بعد اس نے نوع انسانی میں ترک خواہش اور عام رہبانیت کی شکل کس طرح اختیار کی۔ اندرونی تولید یعنی تجدید کا روکنا ناممکن ہے بجز اس کے کہ انسان مرنے پر کمر باندھ لے اس طرح گویا یہ بھی معلوم ہو گیا کہ موت کی طبعی اصل کیا ہے تجدید کے حیاتیاتی عمل کو بیان کرنے کے بعد مصنف کہتا ہے "مہذب انسانوں میں جماع اس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جتنا آئندہ نسل کے پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے اور وہ اندرونی تولید پر مقدم رکھا جاتا ہے جس کا انجام بیماری، موت بلکہ اس سے بھی بدتر ہے" کسی شخص کو جو منطق و فلسفے میں ذرا سا بھی دخل رکھتا ہے، مسٹر بیر کے مقالے کا یہ پیراگراف سمجھنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہو گی:-

تولید کا عمل محض مکانیکی طریقے سے واقع نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے بلکہ خلیوں کی تقسیم در تقسیم کی طرح یہ ایک حیاتی عمل ہے یعنی اس میں ادراک اور ارادہ پایا جاتا ہے یہ بات کہ ذی حیات چیزوں کی تفریق ان کا ایک دوسرے سے ممیز ہونا اور جداگانہ وجود اختیار کرنا محض مکانیکی[ا] ہے کسی طرح عقل میں نہیں آتی تا کہ اس طرح کے بنیادی عمل ہمارے موجودہ شعور سے اس قدر بعد رکھتے ہیں کہ نظاہر جانور یا

[ا] Mechanical محض مادے اور حرکت کے قانون کے ماتحت

انسان کے ارادے کا ان میں کوئی دخل نظر نہیں آتا لیکن ایک ذرا سے غور سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ جس طرح موجودہ ارتقا یافتہ انسانوں کا ارادہ ان خارجی حرکات اور افعال کو ادراک کی رہنمائی میں وقوع میں لاتا ہے اسی طرح جسم کی تدریجی ارتقا کی ابتدائی منزلوں میں، ماحول کی حدود کے اندر اس کو حرکت میں لانے کے لئے ضرور ایک قسم کا ارادہ اور ادراک موجود ہوگا۔ اُس چیز کو آج کل نفسیات کے ماہر "لاشعور"[1] کہتے ہیں۔ یہ ہمارے نفس کا ایک حصہ ہے جو ہمارے روزمرہ خیالات سے بے تعلق ہے لیکن اپنے وظائف کے ادا کرنے میں بہت ہوشیار اور چوکس ہے یہاں تک کہ شعور کو تو نیند بھی آجاتی ہے مگر اسے کبھی نہیں آتی:

کون شخص اس کا اندازہ کر سکتا ہے کہ اگر جماع کا فعل بغیر کسی اور مقصد کے کیا جائے تو اس سے ہمارے نفس کے لاشعوری حصے کو جس کا عمل زیادہ مستقل ہے کس قدر ناقابل تلافی ضرر پہنچ جائے گا۔ تولید کی منزا موت ہے جماع کا عمل نر کے لئے قطعاً تفرقی عمل ہے (یعنی اس سے موت کی تمہید شروع ہو جاتی ہے) اور وضع حمل کی شکل میں مادہ کے لئے بھی اس سے مصنف یہ استدلال کرتا ہے:۔

"مردمی، قوت حیات اور بیماریوں سے محفوظ رہنا، یہ ان لوگوں کا حصہ ہے جو خواہش نفس کو بالکل ترک یا قریب قریب ترک کر دیتے ہیں تو لید یا صرف لذت نفس کے لئے جنس کے خلیوں کو تجدید کے عمل سے ہٹانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارے اعضا تازہ مایہ حیات کی رسد سے محروم ہو جاتے ہیں

---

[1] The Unconscious

[2] Katabolism اس عمل کی تخریبی شکل جس میں جسم حیوانی کے اندر تجزیہ یا چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہوتا ہے

جس کا مضر اثر ان پر آہستہ آہستہ پڑتا رہتا ہے اور ایک لمحہ ظاہر ہو کر رہتا ہے۔
ان عضویاتی واقعات سے ایک شخصی اخلاق جنسی کی بنیاد پڑتی ہے جو کامل ضبط نہیں تو اعتدال کا ضرور تقاضا کرتا ہے اور بہر حال اس سے ضبط کی اصلیت سمجھ میں آجاتی ہے۔"

مصنف جیسا کہ آسانی سے قیاس کیا جا سکتا ہے، کیمیاوی طریقوں اور آلات کی مدد سے انضباط ولادت کا مخالف ہے بہ قول اس کے:-

"اس کی بدولت ضبط نفس کے محرکات جو دور اندیشی پر مبنی ہیں باقی نہیں رہتے اور اس کا موقع ملتا ہے کہ شادی کے بعد خواہش نفس کی پیروی کی کوئی اور حد نہ رہے سوائے اس کے کہ ضعیفی میں یہ خواہش خود بخود کم ہو جائے اس کے علاوہ ظاہر ہے کہ غیر نکاحی تعلقات پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔ اس سے ناجائز، بے قید، بے ثمر صحبت کا دروازہ کھل جاتا ہے جو جدید صنعت و حرفت، عمرانیات اور سیاسیات کے نقطۂ نظر سے نہایت خطرناک ہے۔ یہاں ان چیزوں کی تفصیل کرنے کا موقع نہیں ہے۔ اتنا کہ دینا کافی ہے کہ منع حمل کے ذریعے نکاحی اور غیر نکاحی تعلقات میں جماع کی کثرت میں سہولت پیدا ہو جاتی اور اگر میرا مندرجہ بالا عضویاتی استدلال صحیح ہے تو یہ فرد اور جماعت دونوں کے لیے برا ہوگا۔"

ہندوستان کے نوجوانوں کو یہ مقولہ جس پر موسیو بورو نے اپنی کتاب ختم کی ہے دل پر نقش کر لینا چاہیے:-

"مستقبل ان قوموں کے ہاتھ ہے جو پاکدامن ہیں۔"

دوسرا باب

انضباطِ ولادت[1]

میں بہت کچھ تامل کے بعد با دلِ ناخواستہ اس موضوع پر قلم اٹھاتا ہوں۔ انضباطِ ولادت کے لیے مصنوعی طریقے استعمال کرنے کا مسئلہ جب دن سے میں ہندوستان آیا ہوں برابر ان خطوں میں چھیڑا جا رہا ہے جو میرے نام آتے ہیں گو میں نے نجی کے طور پر ان خطوں کے جواب دیے ہیں لیکن ابھی تک اس مضمون کے متعلق کوئی ایسی چیز نہیں لکھی جو منظرِ عام پر آئی ہو۔ مجھے اس کی طرف پہلے پہل اب پینتیس سال پہلے توجہ دلائی گئی تھی جب میں انگلستان میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ ان دنوں ایک اصولی بزرگ جو سوائے قدرتی ذریعے کے اور کسی چیز کے قائل نہیں تھے اور ایک ڈاکٹر میں جو مصنوعی ذریعوں کے حامی تھے بڑے زور شور سے بحث چھڑی ہوئی تھی میں اس کم عمری کے زمانے میں کچھ دنوں مصنوعی ذریعوں کی طرف مائل رہنے کے بعد ان کا یکایک مخالف ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ ہندی کے بعض اخباروں میں یہ طریقے اس قدر صاف صاف بیان کیے جاتے ہیں کہ طبیعت کو کراہت ہوتی ہے اور شرم آتی ہے۔ میری نظر سے یہ بھی پڑی کہ ایک صاحب نے میرا نام بھی ان لوگوں کے زمرے میں شامل کر لیا جو انضباطِ ولادت کے مصنوعی طریقوں کے حامی ہیں۔ مجھے تو ایک موقع بھی ایسا یاد نہیں کہ میں نے ان طریقوں کی حمایت میں کچھ لکھا ہو۔ دو ممتاز اصحاب کے نام بھی اس کی تائید میں لیے گئے مجھے بغیر ان

---

[1] منقول از ینگ انڈیا ۱۲ مارچ ۱۹۲۵ء۔

بزرگوں سے دریافت کئے ہوئے ان کے نام شائع کرنے میں تامل ہے۔

انضباط ولادت کے ضروری ہونے میں اختلاف رائے کی گنجائش نہیں لیکن اس کا صرف ایک ہی طریقہ بزرگوں سے چلا آرہا ہے اور وہ ضبط نفس یا برہمچاریہ ہے۔ یہ ایک حکمی علاج ہے اور جن لوگوں نے اسے اختیار کیا ہے وہ اس کا فائدہ دیکھ رہے ہیں اگر ماہرین طب انضباط ولادت کی مصنوعی تدبیریں ایجاد کرنے کے بجائے ضبط نفس کا کوئی ذریعہ دریافت کریں تو ساری دنیا ان کی ممنون ہوگی مرد اور عورت کی صحبت کا مقصد لذت نفس نہیں بلکہ اولاد پیدا کرنا ہے اور جب اولاد کی خواہش نہ ہو تو صحبت جرم ہے۔

مصنوعی طریقے اختیار کرنا گویا بدکاری کو شہ دینا ہے۔ ان کی وجہ سے مرد اور عورت انجام کی طرف سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں اور اب جو وقعت ان کو دی جا رہی ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان پر جو کچھ بندش رائے عامہ کی وجہ سے ہوتی ہے وہ بھی جلد دور ہو جائے گی مصنوعی ذرائع کے اختیار کرنے سے لازمی طور پر ضعف دماغ پیدا ہوگا اور اعصاب ماؤف ہو جائیں گے یہ علاج مرض سے بھی بدتر ثابت ہوگا۔ اپنے فعل کے نتائج سے بچنے کی کوشش کرنا اصولاً اور اخلاقاً برا ہے جو شخص بھوک سے زیادہ کھا جائے اس کے لیے یہی بہتر ہے کہ اس کے پیٹ میں درد ہو اور اسے فاقہ کرنا پڑے۔ یہ برا ہے کہ وہ اپنی حرص پوری کرے اور دواؤں کے ذریعے اس کے نتائج سے بچ جائے۔ اس سے بھی برا یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بہیمی خواہشات پوری کرے اور اپنے فعل کے نتائج نہ بھگتے فطرت کے دل میں رحم نہیں وہ اپنے قوانین کی خلاف ورزی کا انتقام لے کر رہتی ہے۔ اخلاقی نتائج صرف اخلاقی بندشوں ہی سے پیدا ہو سکتے ہیں اور بندشوں سے اس مقصد کو بس کے لئے وہ عائد کی جائیں الٹا نقصان پہنچتا ہے مصنوعی طریقوں کے استعمال کی بنیاد اس استدلال پر ہے کہ لذت نفس ضروریات زندگی میں داخل ہے اس سے بڑھ کر مغالطہ آمیز بات کوئی نہیں ہو سکتی۔ وہ لوگ جو انضباط ولادت چاہتے ہیں ان جائز

طریقوں کی تحقیق کریں جو قدیم زمانے کے لوگوں نے ایجاد کیے تھے اور انھیں پھر سے زندہ کرنے کی تدبیر نکالیں۔ ابھی تو راہ کے ہموار کرنے کے لیے خدا جانے کتنا کام پڑا ہے۔ کم سنی کی شادی آبادی کے بڑھنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ موجودہ طرز معاشرت کو بھی بے قید کثرت اولاد میں بہت کچھ دخل ہے۔ اگر ان اسباب کی چھان بین اور تدارک کیا جائے تو معاشرے کی اخلاقی سطح بلند ہو جائے گی لیکن اگر وہ لوگ جو اصلاح کے جوش میں بے صبر ہو رہے ہیں ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں گے اور مصنوعی طریقے رائج ہو جائیں گے تو اخلاقی تنزل کے سوا کچھ نتیجہ نہیں ہوگا۔

وہ معاشرہ جو مختلف وجوہ سے پہلے ہی کمزور ہو رہا ہے مصنوعی ذرائع کے استعمال سے اور بھی کمزور ہو جائے گا۔ اس لیے جو لوگ بے سمجھے بوجھے مصنوعی ذرائع کی حمایت کر رہے ہیں ان کے لیے سب سے بہتر یہ ہے کہ اس مسئلے کا نئے سرے سے مطالعہ کریں۔ اپنی مضر جدوجہد کو روک دیں اور بیاہوں اور کنواروں سب لوگوں میں برہمچاریہ کو رواج دیں۔ انضباط ولادت کا یہی ایک سیدھا اور اعلیٰ طریقہ ہے۔

تیسرا باب

بعض[1] دلیلوں پر تبصرہ

میرے اس مضمون کے بعد جو انضباط ولادت کے متعلق تھا مصنوعی طریقوں کی تائید میں خط وکتابت کا بازار گرم ہو گیا اور اسی کی توقع بھی تھی میں نے تین نمونے کے خط چھانٹے ہیں۔ ایک اور خط بھی ہے مگر اس میں زیادہ تر دینیات کے مسائل ہیں اس لئے میں اسے چھوڑتا ہوں اُن تین خطوں میں سے ایک یہ ہے۔

"میں نے آپ کا مضمون انضباط ولادت کے متعلق بڑی دلچسپی سے پڑھا اس مسئلے پر آج کل بہت سے تعلیم یافتہ حضرات غور کر رہے ہیں گذشتہ سال ہم لوگوں میں بڑی طویل گرما گرم بحثیں رہیں ان سے کم سے کم یہ ثابت ہو گیا کہ نوجوانوں کو اس مسئلے سے گہری دلچسپی ہے۔ اس بارے میں بہت کچھ جھوٹی شرم اور تعصب سے کام لیا جاتا ہے۔ اور اگر آزادی سے کھلم کھلا بحث ہو تو ہمارے "احساس تہذیب" کو صدمہ نہیں پہنچتا آپ کے مضمون کو پڑھ کر میں نے نئے سرے سے غور کرنا شروع کر دیا ہے اور میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ اس مسئلے پر کچھ اور روشنی ڈالئے تاکہ بہت سے شکوک جو میرے دل میں پیدا ہوئے دور ہو جائیں۔

مجھے اس سے اتفاق ہے کہ انضباط ولادت کے ضروری ہونے میں اختلاف

---

[1] منقول از ینگ انڈیا ۲ راپریل ۱۹۲۵ء

رائے کی گنجائش نہیں میں یہ بھی مانتا ہوں کہ برہمچاریہ ایک حکمی علاج ہے اور جن لوگوں نے اسے اختیار کیا ہے وہ اس کا فائدہ دیکھ رہے ہیں" مگر سوال تو انضباط ولادت کا ہے نہ کہ ضبط نفس کا۔ اگر آپ اسے تسلیم کرتے ہیں تو پھر یہ دیکھنا ہے کہ ایک معمولی شخص کے لئے ضبط نفس انضباط ولادت کا سہل طریقہ ہے یا نہیں"۔

"میرا خیال ہے کہ اس مسئلے پر دو مختلف پہلوؤں سے غور کیا جا سکتا ہے فرد کے نقطۂ نظر سے اور معاشرے کے نقطۂ نظر سے ہر فرد کا فرض ہے کہ اپنی بہیمی خواہشوں کو ضبط کرے اور اس طرح اپنی روحانی قوت کو ترقی دے۔ میرے زمانے میں ایسے چند لوگ اعلیٰ اخلاقی سیرت کے ہوتے ہیں جو اس بلند معیار کو آگے رکھتے ہیں اور اس کے علاوہ کسی نصب العین کی پیروی نہیں کرتے مگر یہ معلوم نہیں کہ یہ لوگ انضباط ولادت کے مسئلے کو جسے ہم حل کرنا چاہتے ہیں سمجھتے ہیں یا نہیں۔ سنیاسی کو اپنی نجات کی فکر ہوتی ہے نہ کہ انضباط ولادت کی"۔

" اب یہ بتایئے کہ اس طریقے سے ایک معاشی، عمرانی، سیاسی مسئلے کو جو ہندوستانی انسانوں کے لئے انتہائی اہمیت رکھتا ہے ایک معقول مدت کے اندر حل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ہر دور اندیش گرہست کو اس کے جلد حل ہونے کی ضرورت اس وقت بھی محسوس ہو رہی ہے۔ اس سوال کے جواب میں کہ انسان کتنے بچوں کے کھانے پہننے، تعلیم پانے اور کمانے کے لائق بن جانے کا انتظام کر سکتا ہے، دیر کی گنجائش نہیں۔ آپ تو انسانی فطرت کو جانتے ہیں پھر بھی آپ یہ توقع رکھتے ہیں کہ ان میں سے بڑی تعداد اولاد کی ضرورت رفع ہونے کے بعد جنسی لذت سے باز رہے گی؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ آپ بھی جنسی جبلت کے معقول اور معتدل طریقے سے پورا کرنے کو جائز رکھیں گے جیسا کہ ہمارے "سمرتکاروں" میں لکھا ہے۔ زیادہ تر لوگوں سے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ نہ تو اس خواہش کے بندے بن جائیں اور نہ اسے بالکل دبا دیں

مگر اس کے نظم و ضبط سے کام لیں اور فرض کیجئے جو آپ چاہتے ہیں وہ ممکن بھی ہو تو کیا اس طریقے سے انضباط ولادت ممکن ہے؟ میرے خیال میں اس سے بہتر اولاد پیدا ہوگی مگر اس کی تعداد کم نہیں ہوگی بلکہ سچ پوچھیے تو آبادی کا مسئلہ اور بھی نازک ہو جائے گا کیونکہ اچھے اور تندرست لوگوں کی آبادی اور بھی تیزی سے بڑھتی ہے مویشی کے افزائش نسل کے فن سے کم مویشی نہیں بلکہ بہتر مویشی پیدا ہوتے ہیں۔

میں مانتا ہوں کہ مرد اور عورت کی صحبت کا مقصد لذت نفس نہیں بلکہ اولاد پیدا کرنا ہے مگر آپ بھی یہ تسلیم کریں گے کہ اس کی ترغیب کا اگر تنہا ذریعہ نہیں تو سب سے بڑا ذریعہ لذت نفس ہے یہ فطرت کا ایک لبھانے کا طریقہ ہے جس سے اس کا مقصد پورا ہوتا ہے اگر اس میں لذت نہیں ہوتی تو کتنے لوگ ہیں جو اس کی طرف مائل ہوتے ہیں؟ ایسے کتنے ہیں جو لذت کی تلاش میں اولاد پاتے ہیں اور ایسے کتنے ہیں جو اولاد چاہتے ہیں اور اس کے ساتھ لذت بھی حاصل کرتے ہیں؟ آپ کہتے ہیں کہ "اولاد کی خواہش نہ ہو تو صحبت جرم ہے" آپ کے سے سنیاسی کو یہی کہنا زیب دیتا ہے کیونکہ یہ بھی تو آپ ہی کا قول ہے کہ وہ شخص جس کے پاس اس کی ضرورت سے زیادہ دولت ہو چور اور ڈاکو ہے" اور وہ شخص جو دوسروں سے زیادہ محبت نہیں کرتا اپنے آپ سے بہت کم محبت کرتا ہے۔ مگر بیچارے معمولی کمزور انسانوں پر آپ اتنی سختی کیوں کرتے ہیں؟ ان کو اگر تھوڑی سی لذت بغیر اولاد کی خواہش کے حاصل ہو جائے تو وہ ان کیلئے تسکین کا باعث اور ان کے جسم اور نفس کے تغیرات کے مناسب حال ہوتی ہے۔ اولاد کے دھڑکے سے بعض صورتوں میں اعصابی بے حسی پیدا ہو جائے گی اور بعض صورتوں میں شادی میں دیر کرنا پڑے گی۔ اولاد کی خواہش عام طور پر شادی کے چند سال بعد ختم ہو جاتی ہے۔ کیا اس کے بعد صحبت جرم ہے؟ کیا آپ کے خیال میں وہ شخص جو اس جرم سے ڈرتا ہے اپنے بے چین جذبات کے نکاس کو روکنے سے

اخلاقی برتری حاصل کرے گا اور آخر یہ تو بتائیے کہ کیا وجہ ہے آپ ان "چوروں" سے تو درگذر کرتے ہیں جن کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ دولت ہے مگر ان "مجرموں" سے نہیں کرتے جو اولاد کی خواہش پوری ہونے کے بعد اپنی بیویوں سے صحبت کرتے ہیں؟ اس کا سبب آیا تو نہیں کہ "چوروں" کی تعداد اور قوت اتنی زیادہ ہے کہ ان کی اصلاح ذرا ٹیڑھی کھیر ہے؟

پھر آپ فرماتے ہیں "مصنوعی طریقے اختیار کرنا گویا بدکاری کو شہ دینا ہے ان کی وجہ سے مرد اور عورت انجام کی طرف سے بے پروا ہو جاتے ہیں" یہ الزام اگر سچ ہو تو واقعی بڑا سخت ہے مگر میں یہ پوچھتا ہوں کہ رائے عامہ میں کبھی اتنی قوت ہوئی ہے کہ جماع کی کثرت کو روک سکے؟ مجھے معلوم ہے کہ شراب خوار دوسروں کی رائے کے خوف کر ضبط سے کام لیتے ہیں مگر میں ان مثلوں کو بھی جانتا ہوں کہ "خدا جتنے کھانے والے دیتا ہے اتنا رزق بھی دیتا ہے" اور "اولاد کا ہونا خدا کی مرضی ہے" اور اس غلط عقیدے سے بھی واقف ہوں کہ بچوں کی کثرت مردانگی کا ثبوت ہے۔ مجھے ایسی مثالوں کا علم ہے کہ ان خیالات کی وجہ سے شوہر اپنی بیویوں کو ہوس رانی کا ذریعہ بناتے ہیں اور جنسی جبلت کو تناسل کا خاص مقصد سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ کیا یہ بات بالکل یقینی ہے کہ مصنوعی طریقوں کے استعمال سے لازمی طور پر ضعف دماغ پیدا ہوگا اور اعصاب ماؤف ہو جائیں گے" سب طریقے ایک سے نہیں ہیں اور میرے خیال میں سائنس نے بے ضرر طریقے بھی دریافت کر لئے ہیں یا اب کرے گی یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو انسان کی عقل سے بالاتر ہو۔

"مگر آپ تو معلوم ہوتا ہے ان کا استعمال کسی صورت میں بھی جائز نہیں سمجھتے اس لئے کہ "اپنے فعل کے نتائج سے بچنے کی کوشش کرنا اصولاً اور اخلاقاً برا ہے" اس سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا لیکن آپ نے تو یہ سمجھ لیا ہے کہ اگر اولاد کی خواہش نہ ہو تو جذبۂ جنسی کا اعتدال کے ساتھ پورا کرنا بھی اخلاقاً برا ہے۔ پھر میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا واقعی کوئی شخص اپنے افعال کے نتائج یعنی اولاد کے خوف سے ضبط نفس سے کام لیتا ہے ہر صورت میں

ہوتا یہی ہے کہ لوگوں کو نیم حکیموں سے مشورہ لینا پڑتا ہے خواہ اس میں ان کی صحت اور مسرت کا خون ہو جائے۔ نہ جانے کتنے اسقاط کے واقعات اپنے افعال کے نتائج سے بچنے کی کوشش میں ہو چکے ہیں۔ اور فرض کیجیے خوف ضبط کا موثر طریقہ ثابت بھی ہو تو اس سے اخلاقی نتائج کیا خاک ظاہر ہوں گے اور آخر یہ کونسا ضابطہ اخلاق ہے کہ والدین کی پاداش اولاد بھگتے اور افراد کی ناعاقبت اندیشی سے معاشرہ کو نقصان پہنچے؟ یہ سچ ہے کہ فطرت کے دل میں رحم نہیں وہ اپنے قوانین کی خلاف ورزی کا انتقام لے کر رہتی ہے لیکن ہم یہ کیوں سمجھ لیں کہ مصنوعی طریقوں کا استعمال قانون فطرت کی خلاف ورزی ہے کوئی شخص مصنوعی دانتوں، مصنوعی آنکھوں، مصنوعی ہاتھ پیر کے استعمال کو خلاف فطرت نہیں کہتا خلاف فطرت تو صرف وہی چیز ہے جو ہماری بہبود کے منافی ہو میں اس کا قائل نہیں کہ انسان فطرتاً بد ہے اور ان طریقوں کے استعمال سے حالت اور ابتر ہو جائے گی۔ اب بھی دُنیا میں عیاشی کچھ کم نہیں ہے اور اس سے ہندوستان بھی مستثنیٰ نہیں ہے جس طرح یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ اس نئی قوت سے بُری طرح کام لیا جائے گا۔ اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا صحیح استعمال ہوگا۔ لیکن اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ انسان کو فطرت پر یہ قوت حاصل ہونے والی ہے اور اگر ہم نے اس کی اہمیت کو نظر انداز کیا تو ہمارا ہی نقصان ہے عقلمندی کا تقاضا یہ نہیں کہ ہم اس سے دور بھاگیں بلکہ یہ ہے کہ ہم اسے قابو میں لائیں۔ بعض نہایت شریف النفس لوگ ان طریقوں کو رواج دینے کی کوشش کر رہے ہیں نفس پرستی کی خاطر نہیں بلکہ لوگوں کو ضبط نفس میں مدد دینے کے لیے۔

ہمیں یہ بات بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ عورت اور اس کی ضروریات کی طرف سے بہت غفلت برتی جا چکی ہے اب وہ خود اس معاملے میں دخل دے گی کیونکہ اسے یہ گوارا نہیں کہ مرد اسے اولاد کی کھیتی بنا کر رکھے۔ جدید تمدن کا بوجھ اتنا ہے کہ بہت سے

بچوں کی پرورش کا سارا کھڑاگ اس کے بس کا نہیں۔ ڈاکٹر میری اسٹوپس اور مس ایلین کی کا مقصد ہر گز یہ نہیں ہو سکتا کہ "عورتوں کے اعصاب ماؤف ہو جائیں" جو طریقے انھوں نے تجویز کیئے ہیں ان پر زیادہ تر عورتوں ہی کی مدد سے عمل ہوتا ہے اور ان میں بے لگام ہوس رانی سے زیادہ مادرانہ دانشمندی کا امکان ہے۔ اور بہرحال بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں چھوٹی برائی بڑی برائی سے بچا لیتی ہے۔ بعض بیماریاں اتنی خطرناک ہیں کہ ان سے بچنے کے لئے "اعصاب کا ماؤف ہونا" بھی برداشت کر لینا چاہیئے چنانچہ بچے کے دودھ پینے کا زمانہ ہے جب کہ صحبت ضروری ہے لیکن اس میں حمل کا قرار پانا مضر ہے۔ بعض عورتیں اور ہر طرح تندرست ہیں لیکن بچہ ہونے میں ان کی جان کا خطرہ ہے۔

میری نہ تو یہ خواہش ہے اور نہ مجھے اس کی امید ہے کہ آپ انضباط ولادت کا پرچار کرنے لگیں آپ کی شان یہی ہے کہ آپ حق اور عفت کی پاک شمع کو روشن رکھیں اور جو بچہ اس کی تلاش میں ہیں انھیں روشنی دکھائیں لیکن ایک عاقبت اندیش ماں یا باپ کو اس کی تلاش ناعاقبت اندیشوں سے زیادہ ہوگی۔ وہ شخص جو انضباط ولادت کی ضرورت کو سمجھتا ہے آسانی سے ضبط نفس کی منزل تک پہنچ سکتا ہے موجودہ ہوس رانی بے پروائی اور جہالت کا یہ عالم ہے کہ آپ کی تعلیم بھی نقار خانے میں طوطی کی آواز ہو کر رہ گئی ہے آپ کے تاویلی مضمون میں جو آپ نے با دل ناخواستہ لکھا ہے جس قدر بحث کی گئی ہے اس سے کہیں زیادہ روشن خیالی سے بحث کرنے کی ضرورت ہے اگر آپ اس میں شریک نہیں ہو سکتے تو آپ کو اسکی اہمیت کو ضرور تسلیم کرنا چاہیئے بلکہ اگر ضرورت ہو تو وقت پر رہنمائی بھی کرنا چاہیئے کیونکہ آگے طوفانی موجیں اٹھ رہی ہیں اور اس سے کچھ حاصل نہیں کہ آپ خطرے کی طرف سے آنکھ بند کر لیں اور "اس موضوع پر قلم اٹھانے میں تامل کریں"

میں معاملے کو صاف کرنے کے لئے پہلے ہی کہدوں کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ

نہ تو سنیاسی کی حیثیت سے لکھا ہے اور نہ سنیاسیوں کے لئے لکھا ہے۔ مجھے تو مروجہ معنی میں سنیاسی ہونے کا دعویٰ بھی نہیں میرے مشاہدات خفیف سے انحراف کے ساتھ تیس برس کے مسلسل ذاتی عمل اور ان لوگوں کے عمل پر مبنی ہیں جو میرے ساتھ اس تجربے میں اتنے کافی عرصے تک شریک رہے کہ بعض نتائج وثوق کے ساتھ نکالے جا سکتے ہیں۔ اس تجربے میں جوان اور بوڑھے مرد اور عورتیں سب شامل ہیں۔ میں اس کے متعلق ایک حد تک علمی صحت کا دعویٰ کر سکتا ہوں۔ اس کی بنیاد یقیناً اخلاقی ہے مگر شروع یہ انضباط ولادت کی کوشش ہی سے ہوا تھا اور میرا تو خاص طور پر یہی مقصد تھا۔ آگے چل کر بہت زبردست اخلاقی نتائج پیدا ہوئے لیکن بالکل قدرتی سلسلے میں۔ میرا دعویٰ ہے کہ اگر دانشمندی سے کام لیا جائے تو بغیر کسی دقت کے ضبط نفس برتنا ممکن ہے اور مجھی پر موقوف نہیں جرمنی اور دوسرے ملکوں کے قدرتی علاج کے ماہر بھی یہی دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کی تعلیم یہ ہے کہ پانی کے علاج یا مٹی کے لیپ یا غیر محرک غذا سے جس میں زیادہ تر پھل ہوں اعصاب کو سکون ہوتا ہے یہی جذبات پر قابو حاصل ہوتا ہی اور جسم کو قوت بھی پہنچتی ہے انھیں نتائج کا دعویٰ راج یوگی بھی اپنے پرانیم کے متعلق کرتے ہیں جو بالکل علمی طریقے پر منضبط ہے اور روحانی اعمال سے کوئی تعلق نہیں۔ قدیم ہندوستانی علاج اور مغربی علاج دونوں میں سے کوئی سنیاسیوں کے لئے نہیں بلکہ سراسر گرہستوں کے لئے ہیں لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حد سے زیادہ آبادی کی وجہ سے انضباط ولادت قوم کے لئے ضروری ہے میں اس کو نہیں مانتا۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ میرے خیال میں اگر نظام اراضی میں اصلاح ہو جائے تو زراعت کی حالت بہتر ہو جائے اور کوئی ضمنی صنعت بھی ہو تو یہ ملک اس سے دگنی آبادی کا بوجھ سہ سکتا ہے۔ مگر میں موجودہ سیاسی حالت کے لحاظ سے ہندوستان کے انضباط ولادت کے حامیوں کا ساتھ دیتا ہوں۔

میری یقیناً یہ رائے ہے کہ اولاد کی خواہش پوری ہونے کے بعد انسان کو اپنی بہیمی
واہشات پوری کرنے سے ہاتھ اٹھا لینا چاہیئے ضبط نفس ایسا علاج ہے جو عام اور
موثر ہو سکتا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقے نے اس کی کبھی آزمائش نہیں کی ہے۔ اس طبقے کو منتشر
خاندان کے اصول کی بدولت کثرت اولاد کا بار محسوس نہیں ہوا ہے اور جن لوگوں
کو ہوا بھی ہے انھوں نے اس مسئلے کے اخلاقی پہلوؤں کی طرف کبھی توجہ نہیں کی ہے
سوائے اس کے کہ کبھی کبھی بے چارے یہ یا ایک آدھ لکچر ہو جائے خاص اولاد کی تعداد کم
رنے کی غرض سے ضبط نفس کا کوئی منظم پروپگنڈا نہیں ہوا ہے بخلاف اس کے یہ غلط عقیدہ
لب رہا ہے کہ اولاد کی کثرت مبارک ہے اور اس لئے انسان کو اس کی خواہش ہونی
چاہیئے۔ مذہبی پیشوا عموماً یہ تعلیم نہیں دیتے کہ بعض خاص حالات میں اولاد کی تعداد محدود
رکھنا اسی طرح مذہبی فرض ہے جس طرح دوسرے حالات میں اولاد کا پیدا کرنا۔

مجھے خوف ہے کہ انضباط ولادت کے حامی یہ فرض کر لیتے ہیں کہ بہیمی خواہش کا
را کرنا زندگی کی ضروریات میں سے ہے اور بجائے انسان کے خود مطلوب ہے جنس لطیف
سے جس ہمدردی کا اظہار کیا جاتا ہے وہ ایک عجیب رقت کا سبب ہے۔ میرے خیال
یں تو یہ عورتوں کی توہین ہے کہ انضباط ولادت کے مصنوعی طریقوں کی تائید میں ان
کا نام پیش کیا جائے۔ مردوں نے اپنی لذت نفس کی خاطر انھیں یوں ہی ذلیل
کر رکھا ہے مصنوعی طریقے خواہ ان کے حامیوں کی نیت کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو
دہ اور بھی ذلیل ہوں گی۔ مجھے معلوم ہے کہ بعض جدت پسند عورتیں بھی ان طریقوں کی
مایت کرتی ہیں مگر اس میں مجھے ذرا بھی شبہ نہیں کہ بہت بڑی تعداد ایسی ہے جو
ن کو اپنی شان کے خلاف سمجھ کر رد کر دے گی۔ اگر مرد ان کے ساتھ نیک سلوک
رنا چاہتے ہیں تو انھیں ضبط نفس سے کام لینا چاہیئے ترغیب دلانے والی عورت
نہیں ہوتی اصل میں ابتدا مرد کی طرف سے ہوتی ہے اور وہی ترغیب کا مجرم ہے۔

مصنوعی طریقوں کے حامیوں سے میں یہ اصرار کرتا ہوں کہ وہ ان کے نتائج پر غور کریں اگر ان کا رواج عام ہو جائے تو اغلب ہے کہ شادی کا طریقہ اٹھ جائے اور بے قید محبت کا بازار گرم ہو جائے اگر مرد کے لئے یہ جائز ہے کہ بغیر کسی مقصد کے اپنی بہیمی خواہش کو پورا کرے وہ تو ایسی صورت میں کیا کرے گا کہ مثلاً وہ ایک عرصے کے لئے اپنے گھر سے دور ہے یا سپاہی کی حیثیت سے ایک طویل جنگ میں شریک ہے یا اس کی بیوی مر گئی ہے یا اتنی بیمار ہے کہ باوجود مصنوعی طریقہ استعمال کرنے کے اسے صحبت سے ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے؟

ایک اور صاحب لکھتے ہیں :-

"آپ نے ینگ انڈیا میں حال کے کسی پرچے میں جو مضمون انضباط ولادت پر لکھا ہے اس کے متعلق مجھے ادب کے ساتھ یہ عرض کرنا ہے کہ آپ نے مصنوعی طریقوں کو مضر قرار دیکر اسی بات کو جس پر نزاع ہے صحیح فرض کرلیا ہے؟ انضباط ولادت کی پچھلی بین الاقوامی کانفرنس (لندن ۱۹۲۲ء) کے شعبہ منع حمل میں جس میں صرف طبیب ہی شریک تھے ذیل کا ریزولیشن پاس ہوا اور ۱۶۴ حاضرین میں سے صرف تین اس کے مخالف تھے۔ "انضباط ولادت کی پانچویں بین الاقوامی کانفرنس کے طبیب ممبروں کا یہ جلسہ اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ وہ انضباط ولادت جو منع حمل کی ممد صحت تدبیروں سے کیا جاتا ہے عضویاتی، قانونی اور اخلاقی حیثیت سے اسقاط حمل سے بالکل مختلف ہے اور اس جلسہ کی رائے میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ منع حمل کی بہترین تدبیروں سے صحت کو نقصان پہنچتا ہے یا تولید کی قوت زائل ہو جاتی ہے"

"میرے نزدیک مرد اور عورت طبیبوں کی اتنی بڑی جماعت جس میں بعض چوٹی کے طبیب شامل ہیں اس کا فیصلہ ایک جنبش قلم سے منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کہتے ہیں مصنوعی طریقوں کے اختیار کرنے سے لازمی طور پر دماغ کمزور ہو جائے گا اور اعصاب

ماؤف ہو جائیں گے' لازمی طور پر کیوں؟ میں اس دعوی کی جرأت کرتا ہوں کہ جدید سائنس کے طریقوں سے ہرگز اس قسم کے نتائج پیدا نہیں ہوتے البتہ اگر جہالت کی وجہ سے مضر طریقے استعمال کیئے جائیں تو ممکن ہے ایسا ہو۔ یہ تو اس بات کی ایک اور دلیل ہے۔ صحیح طریقوں کی تعلیم ان سب لوگوں کو جنھیں اس کی ضرورت ہے یعنی سب بالغ مردوں اور عورتوں کو جو بچے پیدا کر سکتے ہیں دی جائے۔ آپ ان طریقوں پر مصنوعی ہونے کا الزام لگاتے ہیں اور پھر بھی طبیبوں سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ "ضبط نفس کے ذریعے" دریافت کریں۔ میں آپ کا مطلب اچھی طرح نہیں سمجھا لیکن چونکہ آپ کا خطاب طبیبوں سے ہے اس لئے میں پوچھتا ہوں کہ "ضبط نفس کے ذریعے" یہ لوگ تجویز کریں گے کیا وہ بھی اسی قدر مصنوعی نہ ہوں گے؟ آپ کہتے ہیں 'مرد اور عورت کی صحبت کا مقصد لذت نفس نہیں بلکہ اولاد پیدا کرنا ہے' یہ مقصد کس نے مقرر کیا ہے؟ خدا نے؟ تو پھر اس نے جنسی جبلت کو کیوں پیدا کیا؟ آگے چل کر آپ نے فرمایا ہے 'فطرت کے دل میں رحم نہیں۔ وہ اپنے قوانین کی خلاف ورزی کا انتقام لے کر رہتی ہے'۔ مگر فطرت تو کم سے کم کوئی شخص نہیں ہے۔ جیسا لوگوں نے خدا کو سمجھ رکھا ہے۔ وہ کسی کے نام احکام جاری نہیں کیا کرتی۔ فطرت کے قوانین کی خلاف ورزی ممکن ہی نہیں ہے۔ عالم فطرت میں افعال کے نتائج ناگزیر ہوتے ہیں۔ نیک اور بد وہ الفاظ ہیں جو ہم اپنی طرف سے ان کے متعلق اپنی طرف سے استعمال کرتے ہیں۔ جو لوگ مصنوعی طریقے استعمال کرتے ہیں وہ بھی اپنے افعال کا نتیجہ پاتے ہیں اور جو نہیں کرتے وہ بھی اس لیے آپ کی دلیل کوئی معنی نہیں رکھتی جب تک آپ یہ نہ ثابت کر دیں کہ مصنوعی طریقے مضر ہیں۔ میں مشاہدے اور تجربے کی بنا پر کہتا ہوں کہ اگر صحیح طریقے استعمال کئے جائیں تو ضرر نہیں ہوتا۔ افعال نیک یا بد ہونے کا فیصلہ ان کے نتائج کے لحاظ سے کرنا چاہیئے نہ کہ پہلے سے قرار دئے ہوئے اخلاقی اصول کی بنا پر۔

"جو طریقے آپ تجویز کرتے ہیں وہی مالتھس نے بھی کیا تھا لیکن یہ آپ کے سے چند

مخصوص افراد کے سوا اور سب کے لئے ناقابل عمل ہو۔ آخر ان طریقوں کی حمایت سے کیا فائدہ جو
عمل میں نہیں لائے جا سکتے۔ برہمچاریہ کے فوائد کے بارے میں بہت مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔
موجودہ زمانے کے جید طبیب (یعنی وہ جو مذہبی تعصبات سے آزاد ہیں) کہتے ہیں کہ پچیس
تیس برس کی عمر کے بعد یہ قطعاً مضر ہے۔ آپ کا بھی یہ خیال مذہبی تعصب کی وجہ سے ہے
کہ مرد عورت کی صحبت بجز اس صورت کے کہ اس کا مقصد اولاد پیدا کرنا ہو گناہ ہے چونکہ
کوئی شخص پہلے سے نہیں کہہ سکتا کہ کیا نتیجہ ہوگا اس لئے آپ ہر شخص کو اس پر مجبور
کرتے ہیں کہ وہ یا تو کامل ترک خواہش سے کام لے یا پھر گناہ کی پرواہ نہ کرے تصوف یا
سائنس کی تعلیم یہ نہیں ہے اور اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ آپ لوگوں سے یہ کہیں کہ سائنس کو
چھوڑ کر مذہبی عقائد کی پیروی کرو۔"

اس خط کے لکھنے والے نے اپنی رائے کا صاف صاف اظہار کر دیا ہے۔ میں سمجھتا
ہوں میں نے اس بات کی کافی مثالیں پیش کر دی ہیں کہ اگر ہم نکاح کی حرمت کو تسلیم
کرتے ہیں اور اسے قائم رکھنا چاہتے ہیں تو نفس پرستی نہیں بلکہ ضبط نفس کو زندگی کا قانون
قرار دینا پڑے گا۔ میں نے اس بات کو جس پر نزاع ہے صحیح فرض نہیں کیا بلکہ میں ثابت
کرنے کو تیار رہوں کہ مصنوعی طریقے خواہ وہ کتنے ہی اعلیٰ درجے کے ہوں مضر ہوتے ہیں۔
شاید وہ بجائے خود مضر نہ ہوں لیکن ان کا ضرر یہ ہے کہ وہ خواہش کو ابھار دیتے ہیں اور
وہ جوں جوں تسکین پاتی ہے اور بڑھتی جاتی ہے۔ جس شخص کے دل میں یہ بات بٹھا دی
جائے کہ نفس پرستی نہ صرف جائز ہے بلکہ اچھی چیز ہے وہ رفتہ رفتہ اس قدر کمزور
ہو جائے گا کہ اس میں قوت ارادی مطلق نہ رہے گی۔ یہ یقیناً یہ دعویٰ ہے کہ ہر مرتبہ
صحبت کرنے سے وہ بیش بہا قوت حیات کچھ کم ہو جاتی ہے جو مرد اور عورت کی جسمانی
نفسی اور روحانی طاقت کو قائم رکھنے کے لئے اس قدر ضروری ہے۔ یہاں میں نے
روح کا ذکر کیا ہے لیکن اس ساری بحث میں جان بوجھ کر اس کا نام نہیں آنے دیا

کیونکہ اس میں ان لوگوں کی دلیلوں کی تردید مقصود ہے جو بظاہر اس کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتے ہندوستان کو جہاں شادی کی کثرت ہے اور لوگوں کے قویٰ کمزور ہیں، جس شے کی ضرورت ہے وہ یہ نہیں کہ مصنوعی ذرائع سے صحبت کی جائے بلکہ یہ ہے کہ کامل ضبط سے کام لیا جائے اگر کسی اور خیال سے نہیں تو اسی خیال سے سہی کہ کھوئی ہوئی قوت حاصل ہو جائے۔ انضباط ولادت کے حامیوں کو ان مخرب اخلاق دواؤں سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے جن کے اشتہار ہمارے اخبار وں کو آلودہ کرتے ہیں یہ بیجا ثقاہت یا جھوٹی شرم نہیں جو مجھے اس موضوع پر بحث کرنے سے روکتی ہے مجھے روکنے والی قوت اس بات کا یقین ہے کہ اس ملک کے نوجوان جن کے جسم کھوکھلے ہو چکے ہیں وہ آسانی سے ان دلیلوں کا شکار ہو جاتے ہیں جو نفس پرستی کی تائید میں پیش کی جاتی ہے

اب غالباً مجھے اس کی ضرورت نہیں کہ دوسرا خط لکھنے والے نے جو طبی سرٹیفکٹ پیش کیا ہے اس کی تردید کروں۔ اس کو اس مسئلے سے جس پر میں بحث کر رہا ہوں کوئی تعلق نہیں ہے میں اس قول کی نہ تو تائید کرتا ہوں اور نہ تردید کرتا ہوں کہ صحیح مصنوعی طریقوں سے اعضاء کو نقصان پہنچتا ہے یا تولید کی قوت زائل ہو جاتی ہے۔

قابل سے قابل طبیبوں کا ایک لشکر بھی سیکڑوں نوجوانوں کی تباہی کو جو میں نے اپنی آنکھ سے دیکھی ہے غلط ثابت نہیں کر سکتا اور اس تباہی کا سبب یہی تھا کہ انھوں نے ہوس رانی شروع کر دی خواہ اپنی بیویوں ہی سے کیوں نہ ہو۔

پہلے صاحب نے مصنوعی دانتوں کی جو مثال دی ہے وہ اس موقع پر صحیح نہیں ہے بے شک مصنوعی دانت بے شک مصنوعی اور غیر فطری ہوتے ہیں لیکن ممکن ہے کہ ان کا مقصد ضروری ہو بخلاف اس کے انضباط ولادت کے مصنوعی طریقے چورن کی طرح ہیں جسے وہ شخص استعمال کرتا ہے جو غذا بھوک کو تسکین دینے کے لیے نہیں بلکہ زبان کی لذت کے لیے کھاتا ہے لذت کے لیے کھانا اسی طرح گناہ ہے جیسے ہیجی خواہش کو بغیر کسی اور مقصد کے پورا کرنا۔

آخری خط اس معلومات کے لحاظ سے دلچسپ ہے جو اسے حاصل ہوتی ہے:-

"اس مسئلے نے آج کل دنیا کی حکومتوں کو چکر میں ڈال رکھا ہے میرا اشارہ آپ کے مضمون انضباط ولادت کی طرف ہے۔ غالباً آپ کو معلوم ہوگا کہ امریکہ کی حکومت اس کو رواج دینے کی مخالف ہے اور یہ بھی آپ نے سنا ہوگا کہ ایک مشرقی سلطنت یعنی جاپان نے اس کی عام اجازت دے دی ہے۔ ایک ملک نے تو انضباط ولادت کو خواہ وہ مصنوعی طریقوں سے ہو یا قدرتی طریقوں سے سرے سے ممنوع قرار دیا ہے جس کی وجہ ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے دوسرے نے اس کی سرپرستی کی ہے اور اس کی وجہ بھی سب کو معلوم ہے میرے نزدیک پہلے کے عمل میں کوئی تعریف کی بات نہیں مگر کیا دوسرے کا فعل اس قابل ہے کہ اس کی حقارت کی جائے؟ کیا آپ نہیں سمجھتے کہ جاپان کی حکومت کو کم سے کم اس کی داد دینا چاہیے کہ اس نے واقعات سے چشم پوشی نہیں کی۔ اسے اولاد کی کثرت روکنا ہے۔ اسے انسانی فطرت کی موجودہ حالت کا بھی لحاظ رکھنا ہے۔ پھر آخر اسکے لیے سوائے انضباط ولادت کے اس معنی میں جو آج کل مغرب میں سمجھا جاتا ہے اور کونسی تدبیر ہے؟ آپ کہیں گے بے شک ہے مگر میں پوچھتا ہوں کہ جو طریقہ آپ بتلاتے ہیں اس پر عمل ہو سکتا ہے؟ ممکن ہے وہ نہایت اعلیٰ اور افضل طریقہ ہو مگر قابل عمل نہیں ہے۔ کیا نوع انسانی سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ جنسی لذت کو کسی حد تک چھوڑ دے گی قابل ذکر ہو؟ ممکن ہے چند باعظمت بزرگ ایسے مل جائیں جو ضبط نفس یا برہمچاریہ پر عامل ہوں۔ لیکن کیا انضباط ولادت کی عام تحریک میں اس طریقے پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟ اور یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں جو صورت حال ہے اس کا علاج سوائے عام تحریک کے کچھ نہیں ہوسکتا" مجھے اعتراف ہے کہ میں امریکہ اور جاپان کے حالات سے ناواقف ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ جاپان انضباط ولادت کی حمایت کیوں کر رہا ہے اگر وہ واقعات جو خط لکھنے والے نے بیان کیے ہیں صحیح ہیں اور جاپان نے مصنوعی طریقوں سے انضباط ولادت کا عام رواج ہو گیا ہے تو میری دعویٰ ہے کہ یہ بھلی قوم اپنی اخلاقی تباہی کی طرف دوڑ کر جا رہی ہے۔

ممکن ہے میری رائے بالکل غلط ہو۔ ممکن ہے جو نتیجے میں نے نکالے ہیں وہ غلط واقعات پر مبنی ہوں مگر مصنوعی طریقوں کے حامیوں کو صبر سے کام لینا چاہیئے ان کے پاس سوائے آج کل کی مثالوں کے اور کوئی واقعات نہیں ہیں۔ یقیناً ابھی انضباط کے اس طریقے کے متعلق جو صریحاً انسان کے اخلاقی احساس کے لیے مکروہ ہے وثوق کے ساتھ کوئی پیشین گوئی کرنا بہت قبل از وقت ہے نوجوانوں کی فطرت سے کھیلنا بہت سہل ہے لیکن اس کھیل کے جو مضر اثرات ہوں گے انھیں زائل کرنا مشکل ہو جائے گا۔

چوتھا باب

پاکدامنی[1] کی ضرورت

جن حضرات نے اس کتاب کو اب تک غور سے پڑھا ہے ان سے میری درخواست ہے
کہ اس باب کو اور بھی زیادہ غور سے پڑھیں اور اس کے مطلب پر اچھی طرح غور کریں۔ ابھی اور کئی
باب لکھنے کو باقی ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر ایک اپنی اپنی جگہ مفید ہے لیکن جتنا اہم یہ باب ہے اتنا
کوئی نہیں جیسا میں نے پہلے کہا ہے اس کتاب میں ایک بھی ایسے واقعے کا ذکر نہیں جو میرے
ذاتی تجربے پر مبنی نہ ہو یا جسے میں حرف بہ حرف صحیح نہ سمجھتا ہوں۔

صحت کی کنجیاں بہت سی ہیں اور ان میں سے ہر ایک ضروری ہے لیکن جس چیز
کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ برہمچاریہ ہے۔ صاف ہوا، صاف پانی، اور صحت بخش غذا
سے یقیناً تندرستی کو فائدہ پہنچتا ہے، لیکن اگر ہم جتنی تندرستی حاصل کرتے ہیں سب صرف
کر دیں تو کس طرح تندرست رہ سکتے ہیں؟ اگر ہم جتنا روپیہ کماتے ہیں سب خرچ
کر ڈالیں تو کیونکر محتاج نہ ہو جائیں؟ اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ مرد اور عورت جب
تک برہمچاریہ اختیار نہ کریں ہرگز قوی نہیں ہو سکتے۔

اب سوال یہ ہے کہ برہمچاریہ کسے کہتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مرد اور عورت باہم
صحبت کرنے سے پرہیز کریں یعنی وہ ایک دوسرے کو شہوانی خیالات کے ساتھ نہ چھوئیں
بلکہ خواب میں بھی یہ خیالات اپنے دل میں نہ لائیں وہ ایک دوسرے کو ایسی نظر سے

---

[1] یہ اس کتاب کے ایک باب کا ترجمہ ہے جو مصنف نے صحت کے متعلق گجراتی میں لکھی ہے۔

سے بھی نہ دیکھیں جن میں نفسانی خواہش کا شائبہ ہو، وہ پوشیدہ طاقت جو خدا نے ہمیں عطا کی ہے سخت ضبط نفس کے ذریعے سے قائم رکھی جائے اور نہ صرف جسمانی بلکہ روحانی قوت کا خزانہ بن جائے۔

مگر حقیقت میں وہ کونسا منظر ہے جو ہمیں اپنے گرد نظر آتا ہے؟ مرد عورتیں بوڑھے جوان سب کے سب لذت نفس کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں اکثر بہیمی خواہش انھیں اندھا کر دیتی ہے اور ان کے دل سے اچھے برے کا احساس جاتا رہتا ہے۔ میں نے اسی آنکھ سے لڑکوں اور لڑکیوں تک کو ایسی حرکتیں کرتے دیکھا ہے گویا وہ اس مصیبت میں پڑ کر مجنوں ہو گئے ہیں۔ میں بھی جب اس قسم کے اثرات سے متاثر تھا تو میرا بھی یہی حال تھا اور ہونا بھی چاہیے تھا۔ ذرا دیر کی لذت کے لئے ہم قوت کا وہ سارا سرمایہ دم بھر میں لٹا دیتے ہیں جو ہم نے بڑی مشقت سے جمع کیا ہے جب جنون اتر جاتا ہے تو ہم اپنے آپ کو افسوسناک حالت میں پاتے ہیں۔ صبح اٹھ کر ضعف اور تکان کی شدت ہوتی ہے اور دماغ کام نہیں کرتا۔ اس خرابی کو دور کرنے کے لئے ہم سیروں دودھ "کشتے" یا قوتیاں اور خدا جانے کیا الابلا نگل جاتے ہیں، ہم قسم قسم کی "قوت اعصاب" کی دوائیں استعمال کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ڈاکٹر کے سپرد کر دیتے ہیں کہ کھوئی ہوئی پونجی پھر ہاتھ آئے اور لذت حاصل کرنے کی قوت دوبارہ حاصل ہو، اسی طرح دن اور سال گذرتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ بڑھاپا آ پہنچتا ہے اور ہمارا جسم اور دماغ بالکل بیکار ہو کر رہ جاتا ہے۔

مگر قانون فطرت اس کے بالکل برعکس ہے۔ جوں جوں ہماری عمر بڑھتی ہے ہمارا ذہن اور تیز ہوتا ہے جتنا زیادہ ہم دنیا میں رہیں اتنی ہی زیادہ ہم میں یہ قابلیت ہونا چاہیئے کہ اپنے تجربے کے ذخیرے سے اپنے بنی نوع کو فائدہ پہنچائیں اور یہ بات ان لوگوں کو جو سچے برہمچاری ہیں حاصل بھی ہوتی ہے وہ موت سے نہیں ڈرتے اور خدا کو مرتے دم بھی نہیں بھولتے وہ اپنے دل کو بیجا خواہشوں سے پاک رکھتے ہیں وہ مسکراتے ہوئے جان دیتے ہیں اور بعد مرگ یوم حساب

کا سامنا کرتے ہیں یہی سچے مرد اور سچی عورتیں ہیں اور انھیں کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی صحت کو قائم رکھا ہے۔

ہم اس بات کو نہیں سمجھتے کہ دنیا میں جتنی خودبینی، غصہ، خوف اور رقابت ہے اس کی جڑ زیادہ تر نفس پرستی ہے، اگر ہمارا نفس ہمارے قابو میں نہیں ہے۔ اگر ہم روز ایک بار یا کئی بار چھوٹے بچوں سے بڑھ کر حماقت کرتے ہیں تو ہم سے جان کر یا بے جانے خدا جانے کتنے اور گناہ سرزد ہوتے ہوں گے؟ ہم کس طرح بیٹھ کر اپنے افعال کے خواہ وہ کتنے ہی بد اور پر گناہ کیوں نہ ہوں نتائج پر غور کر سکتے ہیں؟

ممکن ہے کوئی پوچھے "بھلا کسی شخص نے ایسا برہمچاری آج تک دیکھا ہے؟ اگر سب لوگ برہمچاری ہو جائیں تو نوع انسانی کا خاتمہ نہ ہو جائے اور دنیا میں ابتری نہ پھیل جائے؟" اس مسئلے کے مذہبی پہلو کو چھوڑتے ہیں اور اس پر محض دنیاوی نقطۂ نظر سے غور کرتے ہیں۔ میرے نزدیک اس قسم کے سوالات سے صرف ہماری بزدلی بلکہ اس سے بدتر صفات کا اظہار ہوتا ہے۔ ہم میں اتنی قوت ارادی نہیں کہ برہمچاریہ اختیار کر سکیں۔ اس لئے ہم اس فکر میں رہتے ہیں کہ ایسے بہانے مل جائیں جس میں ہم اپنا فرض ادا کرنے سے بچ جائیں۔ سچے برہمچاری نوع کا سلسلہ ابھی ہرگز ختم نہیں ہوا لیکن اگر وہ اس قدر عام ہو جائیں تو پھر برہمچاریہ کی قدر ہی کیا رہے؟ ہزاروں جفاکش مزدور ہیروں کی تلاش میں زمین کو اندر تک کھود ڈالتے ہیں اور تب جا کر انھیں سیکڑوں پرتوں میں سے شاید مٹھی بھر ہیرے ملتے ہوں؟ اگر برہمچاریہ اختیار کرنے سے دنیا ختم ہو جائے تو ہمیں اس سے کیا؟ ہم کوئی خدا ہیں جو ہمیں اسکے انجام کی فکر ہو جس نے اسے پیدا کیا ہے وہ یقیناً اس کی حفاظت کی فکر بھی کرے گا۔ ہمیں اس جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ دوسرے برہمچاریہ کے عامل ہیں جب ہم کسی حرفے یا پیشے کو اختیار کرتے ہیں تو کیا ہم بیٹھ کر یہ سوچتے ہیں کہ اگر سب لوگ یہی کرنے لگیں تو دنیا کا کیا انجام ہوگا سچے برہمچاری کو ایک دن ایسے سوالوں کے جواب خود بخود معلوم ہو جائیں گے۔

یہاں یہ سوال ہوگا کہ وہ لوگ جو دنیا کے دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں ان خیالات پر کیونکر
عمل کر سکتے ہیں؟ جن لوگوں کی شادی ہو گئی ہے؟ ان کے لیے کیا صورت ہے؟ جن کے بچے ہو گئے
ہیں وہ کیا کریں؟ اور ان لوگوں کے لئے کیا تدبیر کی جائے جو اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ سکتے۔ یہ تو
ہم دیکھ ہی چکے ہیں کہ سب سے بلند درجہ کونسا ہے۔ اب ہمیں نصب العین ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا چاہئے
اور اپنے مقدور بھر اسے حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے جب چھوٹے بچوں کو ابجد کے حروف
لکھنا سکھایا جاتا ہے تو ہم انھیں حرفوں کی مکمل شکلیں دکھاتے ہیں اور وہ جہاں تک ان سے بن
آئے ان کی نقل اتارنے کی کوشش کرتے ہیں اسی طرح اگر ہم استقلال کے ساتھ برہمچاریہ کے نصب العین
کی طرف قدم بڑھاتے رہیں تو ممکن ہے کہ ایک دن ہم اسے حاصل کرلیں اگر ہماری شادی ہو چکی
ہے تو کیا ہوا قانون فطرت یہ ہے کہ برہمچاریہ صرف اسی وقت ٹوٹنا چاہیئے جب میاں
بیوی کو اولاد کی خواہش ہو۔ جو لوگ اس قانون پر عمل کرتے ہوئے چار یا پانچ برس میں صرف
ایک بار برہمچاریہ کو توڑیں گے وہ خواہش نفس کے بندے نہیں ہوں گے اور نہ اپنی قوت کے
سرمایہ کا زیادہ حصہ کھوئیں گے مگر افسوس کس قدر کم ہے تعداد ان مردوں اور عورتوں
کی جو خواہش نفس صرف اولاد کی خاطر پوری کرتے ہیں! ورنہ قریب قریب سب صحبت اسی
غرض سے کرتے ہیں کہ اپنی شہوانی طلب پوری کریں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی مرضی
کے خلاف ان کے یہاں اولاد پیدا ہوتی ہے شہوانی جذبے کے جنون میں وہ اپنے افعال
کے نتیجوں پر مطلق دھیان نہیں دیتے اس معاملے میں مرد عورتوں سے بھی زیادہ قابل الزام
ہیں۔ مرد خواہش نفس سے اس قدر اندھا ہو جاتا ہے کہ وہ یہ بھی نہیں دیکھتا کہ اس کی
بیوی کمزور ہے یا بچہ پیدا کرنے یا پالنے کے قابل نہیں ہے اور مغرب میں تو لوگ تمام حدود
سے گذر گئے ہیں وہ جنسی لذت کا لطف اٹھاتے ہیں اور ایسی تدبیریں نکالتے ہیں کہ بچہ
پیدا ہونے کی ذمہ داریوں سے بچ جائیں اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی
ہیں اور منع حمل کی دواؤں وغیرہ کا باقاعدہ کاروبار ہوتا ہے ہم ابھی تک اس

گناہ سے بچے ہوئے ہیں مگر اس بات سے ذرا بھی نہیں جھجکتے کہ اپنی عورتوں پر زچگی کا بھاری بوجھ زبردستی ڈالیں اور ہمیں اس کی کبھی پرواہ نہیں ہوتی کہ ہمارے بچے کمزور، ہنیز اور گنگلے ہوتے ہیں جب کبھی ہمارے یہاں بچہ پیدا ہوتا ہے ہم شکرانے کی نمازیں پڑھتے ہیں اور اس طرح اپنے آپ اپنے افعال کی بدی کو چھپاتے ہیں؟ آخر ہم اسے خدا کے قہر کی علامت کیوں نہ سمجھیں کہ ہم کمزور، نفس پرست، اپاہج اور بزدل بچے پیدا کرتے ہیں؟ کیا یہ خوشی کی بات ہے کہ ذرا ذرا سے لڑکے اور لڑکیوں کے اولاد ہو؟ کیا یہ خدا کی لعنت نہیں ہے؟ ہم سب یہ جانتے ہیں کہ کم عمر پودے کا قبل از وقت پھل اسے کمزور کرتا ہے، اس لئے ہم طرح طرح سے کوشش کرتے ہیں کہ پھل دیر میں آئے لیکن جب کم سن ماں اور کم سن باپ کے بچہ ہوتا ہے تو ہم حمد اور شکر کے ترانے گاتے ہیں! اس سے بڑھ کر غضب کیا ہوگا کیا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کی نجات انھیں لاکھوں کروروں نکمے بچوں سے ہوگی جو ہندوستان میں اور دوسرے ملکوں میں پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں؟ سچ تو یہ ہے کہ ہم اس معاملے میں ادنیٰ سے ادنیٰ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ کیونکہ ان میں نر اور مادہ محض بچے پیدا کرنے کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں۔ عورت اور مرد کو اپنا مقدس فرض سمجھنا چاہیئے کہ استقرار حمل کے وقت سے لے کر اس وقت تک جب بچے کا دودھ چھوٹ جائے الگ رہیں لیکن ہم اس پاک ذمہ داری سے آنکھیں بند کر کے اپنے مہلک عیش و عشرت کو برابر جاری رکھتے ہیں۔ یہ مرض جو قریب قریب لاعلاج ہے ہمارے دماغ کو ضعیف کر دیتا ہے اور ہم کچھ دن تک ایڑیاں رگڑ کر قبل از وقت قبر میں پہنچ جاتے ہیں۔ جن لوگوں کی شادی ہو گئی ہے انھیں شادی کا اصل مقصد سمجھنا چاہیئے اور بجز اس صورت کے جب اولاد کی خواہش ہو برہمچاریہ برتنا چاہیئے۔

لیکن ہماری موجودہ معاشرت میں یہ بات نہایت مشکل ہے، ہماری غذا، ہمارا طرز زندگی، ہماری روزمرہ کی گفتگو ہمارا ماحول یہ سبھی چیزیں ایسی ہیں جو ہمارے بہیمی

جذبات کو برانگیختہ کرتی ہیں اور نفس پرستی زہر کی طرح ہمارے اعضائے رئیسہ کو گھلائے دیتی ہے۔ ممکن ہے بعض لوگوں کو شبہ ہو کہ ہمارا اس دلدل سے چھوٹنا ممکن بھی ہے یا نہیں یہ کتاب ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو اس طرح دگدا میں ہا کرتے ہیں بلکہ صرف ان لوگوں کے لئے جن کی نیت خالص ہو اور جو اتنی ہمت رکھتے ہیں کہ اپنے نفس کی اصلاح کے لیے عملی قدم اٹھائیں جو لوگ اپنی موجودہ حالت پر بالکل قانع ہیں ان پر تو اس کتاب کا پڑھنا تک بار ہوگا۔ مگر جو اپنے حال زار کو محسوس کرتے ہیں اور اس سے بیزار ہیں انھیں میرے خیال میں اس سے تھوڑا بہت فائدہ پہنچے گا۔

جو کچھ کہا جا چکا ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو لوگ اب تک کنوارے ہیں انھیں چاہیے کہ کنوارے ہی رہیں لیکن اگر ان سے بے شادی کے نہیں رہا جاتا تو اس میں جہاں تک ہو سکے دیر کریں مثلاً نوجوانوں کو یہ عہد کر لینا چاہیئے کہ پچیس یا تیس برس کی عمر تک کنوارے رہیں گے یہاں ان تمام فوائد کے ذکر کا موقع نہیں ہے جو جسمانی فائدے کے علاوہ انھیں گھاتے میں حاصل ہونگے

جو والدین اس باب کو پڑھیں ان سے میری التجا یہ ہے کہ بچوں کی شادی کم سنی میں کر کے ان کے گلے میں چکی کا پاٹ نہ باندھیں۔ انھیں نوخیز نسل کی بہبود کا خیال رکھنا چاہیئے نہ یہ کہ خود بینی کے بندے بن کر رہ جائیں۔ انھیں خاندان کا غرور، عزت اور مرتبے کا گھمنڈ اس طرح کے مہمل خیالات دل سے نکال دینا چاہیئے اور ان بے رحمی کی حرکتوں سے پرہیز کرنا چاہیئے اگر وہ اپنے بچوں کے سچے خیرخواہ ہیں تو انھیں اس کے بجائے ان کی جسمانی، ذہنی، اور اخلاقی ترقی کی فکر کرنا چاہیئے وہ اپنی اولاد کے ساتھ اس سے بڑھکر اور کیا برائی کر سکتے ہیں کہ اسے بچپنے میں ازدواجی زندگی اختیار کرنے پر مجبور کریں جس کے ساتھ زبردست ذمہ داریاں اور فکریں ہوتی ہیں؟

اس کے علاوہ حفظان صحت کے قوانین کا تقاضا ہے کہ جس مرد کی بیوی یا جس عورت کا شوہر مر جائے اسے پھر کبھی شادی نہیں کرنا چاہیئے۔ اطبا میں اس بارے میں اختلاف رائے

ہے کہ نوجوان مردوں یا عورتوں کو کبھی اپنی قوت حیات کا کچھ حصہ صرف کرنا چاہیے یا نہیں بعض اس کے موافق ہیں اور بعض مخالف۔ ایسی حالت میں کہ اطبا کی رائے ایک نہیں ہے میں یہ سمجھ کر نفس پرستی کی داد نہیں دینا چاہیے کہ طبی سند ہماری تائید میں موجود ہے میں اپنے ذاتی تجربہ اور دوسروں کے تجربے کی بنا پر بغیر کسی تامل کے دعویٰ سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ جنسی لذت نہ صرف صحت کیلئے غیر ضروری ہے بلکہ سراسر مضر ہے۔ جسم اور دماغ کی ساری طاقت جو ہم نے مدتوں میں حاصل کی ہے قوت حیات کو ایک بار ضائع کرنے سے دم بھر میں برباد ہو جاتی ہے۔ اس کھوئی ہوئی دولت کو حاصل کرنے میں بہت دن لگ جاتے ہیں اور پھر بھی یہ مشتبہ ہے کہ یہ پوری پوری واپس ملجاتی ہے یا نہیں۔ ٹوٹے ہوئے آئینہ کو جوڑ کر کام چلا سکتے ہیں مگر وہ رہے گا وہی ٹوٹا ہوا آئینہ۔

جیسا پہلے کہا جا چکا ہے قوت حیات کا قائم رکھنا بغیر صاف ہوا صاف پانی صاف اور مفید غذا اور پاک صاف خیالات کے ناممکن ہے سچ تو یہ ہے کہ صحت اور اخلاق کا رشتہ اتنا گہرا ہے کہ جب تک انسان پاک زندگی نہ بسر کرتا ہو وہ پوری طرح تندرست نہیں ہو سکتا وہ شخص جو خلوص کے ساتھ پاکبازی کے زندگی بسر کرنے لگے اسے فوراً اس کا پھل ملتا ہے جو لوگ تھوڑے دن کے لئے بھی سچا برہمچاریہ برتتے ہیں وہ یہ دیکھیں گے کہ ان کا جسم اور دماغ کس طرح برابر قوت اور طاقت میں بڑھ رہا ہے اور وہ کبھی اس دولت کو ہاتھ نہ دینگے مجھ سے خود برہمچاریہ کی قدر و قیمت اچھی طرح سمجھنے کے بعد بھی لغزشیں ہوئی ہیں اور ظاہر ہے کہ میں نے اس کی سزا بھی خوب بھگتی ہے۔ جب میں اپنی ان لغزشوں سے پہلے کی اور بعد کی حالت میں زبردست فرق دیکھتا ہوں تو میرا دل شرم و ندامت سے لبریز ہو جاتا ہے۔ لیکن پچھلی غلطیوں سے میں نے یہ سبق حاصل کر لیا ہے کہ اس خزانے کو صرف نہ ہونے دوں اور مجھے خدا کے فضل سے پوری پوری امید ہے کہ آئندہ بھی اس کی حفاظت کرتا رہوں گا کیونکہ میں نے خود اپنی ذات پر برہمچاریہ کے بے قیاس فوائد کا تجربہ کیا ہے

میری شادی بہت جلد ہوگئی تھی اور میں لڑکپن ہی میں بچوں کا باپ بن گیا تھا۔ آخر جب میری آنکھیں کھلیں تو میں نے دیکھا کہ میں زندگی کے بنیادی قوانین کے بارے میں بالکل جاہل ہوں اگر اس کتاب کے پڑھنے والوں میں سے ایک بھی میری کمزوریوں اور میرے تجربات سے عبرت اور فائدہ حاصل کرے تو میں یہ سمجھوں گا کہ اس باب کے لکھنے میں جو محنت میں نے کی ہے وہ پوری طرح وصول ہوگئی۔ بہت سے لوگوں نے مجھ سے کہا ہے اور میں خود بھی یہ سمجھتا ہوں کہ مجھ میں قوت عمل اور جوش بہت ہے اور میرا دماغ بھی کسی طرح کمزور نہیں بعض لوگ تو مجھ پر یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ میرے ارادے کی مضبوطی خودرائی کی حد تک پہنچ گئی ہے باوجود اس کے جسمانی اور نفسی علالت ماضی کی یادگار کے طور پر موجود ہے۔ پھر بھی میں اپنے دوستوں کے مقابلے میں اپنے آپ کو قوی اور تندرست کہتا ہوں جب تیس سال تک خواہش نفس کی پیروی کرنے کے بعد بھی میری یہ حالت ہے تو اگر میں ان تیس سال میں بھی پاکدامن رہتا تو خدا جانے کیا ہوتا! مجھے یہ دل سے یقین ہے کہ اگر میں ابتداسے اب تک برہمچاریہ کی زندگی گذار سکتا تو میری قوت عمل اور جوش اب سے ہزار گنا زیادہ ہوتا۔ اور میں ان چیزوں کو اپنے اور اپنے ملک کے مقاصد حاصل کرنے کے لئے استعمال کر سکتا۔ اگر میرا جیسا ناقص برہمچاری اتنا فائدہ اٹھا سکتا ہے تو مسلسل برہمچاریہ سے کتنی کچھ جسمانی، نفسی، اور اخلاقی قوت نہ حاصل ہوتی ہوگی!

جب برہمچاریہ کا قانون اس قدر سخت ہے تو ان لوگوں کی بابت کیا کہا جائے جو زنا کے ناقابل معافی گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں؟ زناکاری اور فحش سے جو خرابی پیدا ہوتی ہے وہ مذہب اور اخلاق کا ایک اہم مسئلہ ہے اور اس سلسلے میں جو صحت کے متعلق ہے اس پر پوری طرح بحث کرنے کی گنجائش نہیں یہاں ہمیں صرف یہ دکھانا ہے کہ ہزارہا آدمی جو ان گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں امراض خبیثہ میں مبتلا ہیں یہ خدا کا رحم و کرم ہے کہ گناہ گاروں کو سزا بہت جلد مل جاتی ہے ان کی مختصر سی زندگی عطائیوں کی لٹ کے دائمیر

غلامی میں کٹتی ہے یعنی وہ اپنے مرض کی دوا کی تلاش میں بیکار مارے مارے پھرتے ہیں اگر زناکاری اور فحش بند ہو جائے تو موجودہ ڈاکٹروں میں سے کم سے کم نصف کی روزی جاتی رہے۔ امراض خبیثہ نے انسانوں کو اس طرح جکڑ رکھا ہے کہ سمجھدار طبیبوں کو اعتراف کرنا پڑا کہ جب تک زناکاری اور فحش باقی ہے اس وقت تک باوجود طب کی نئی دریافتوں کے نوع انسانی کی نجات کی کوئی امید نہیں ان بیماریوں کی دوائیں اتنی زہریلی ہیں کہ گوان سے عارضی فائدہ معلوم ہوتا ہے مگر ان کی بدولت اور مہلک امراض پیدا ہو جاتے ہیں جو ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔

یہ باب میرے اندازہ سے زیادہ طویل ہو گیا ہے اسے ختم کرتے ہوئے مجھے اختصار کے ساتھ یہ بتادینا چاہیئے کہ جن لوگوں کی شادی ہو گئی ہے وہ برہمچاریہ کیونکر برت سکتے ہیں محض اتنا کافی نہیں کہ انسان ہوا، پانی اور کھانے کے بارے میں حفظان صحت کے قوانین پر عمل کرے شوہر کو اپنی بیوی کے ساتھ تنہا نہیں رہنا چاہیئے۔ ذرا سے غور سے یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ میاں بیوی کی خلقت کی غرض سوائے جنسی صحبت کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ رات کو علحدہ علحدہ کمروں میں رہیں اور دن بھر اچھے کام کرتے رہیں ایسی کتابیں پڑھیں جو ان کے دلوں کو اعلیٰ خیالات سے معمور کر دیں بڑے آدمیوں کے حالات زندگی پر غور کریں اور اس بات کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں کہ جنسی صحبت بہت سی مصیبتوں کی جڑ ہے جب کبھی انھیں صحبت کی خواہش ہو ٹھنڈے پانی سے غسل کریں تاکہ ان کے جذبے کی حدت کم ہو جائے اور لطیف تر شکل اختیار کر کے عمدہ کام کرنے کی قوت بن جائے۔ یہ بڑا مشکل کام ہے مگر ہم اسی لئے پیدا ہوئے ہیں کہ مشکلوں کا مقابلہ کریں اور ان پر غالب آئیں اور جس شخص میں اتنی قوت ارادی نہیں اسے سچی صحت جو سب سے بڑی نعمت ہے کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

پانچواں باب

ضبطِ نفس[1]

مجھ سے فرمائش کی گئی ہے کہ برہمچاریہ کے متعلق چند الفاظ لکھوں بعض موضوع ایسے ہیں جن کے متعلق میں کبھی کبھی نوجیون میں لکھتا رہتا ہوں مگر اپنی تقریروں میں ان کا ذکر بہت ہی کم کرتا ہوں ان میں سے ایک برہمچاریہ بھی ہے میں نے اس کے متعلق شاید ہی کبھی تقریر کی ہو کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ بڑا مشکل مسئلہ ہے اور الفاظ میں نہیں سمجھایا جا سکتا۔ آپ لوگ مجھ سے برہمچاریہ کے اس محدود مفہوم پر تقریر چاہتے ہیں جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ اس وسیع مفہوم پر جس میں کل حواس کا ضبط شامل ہے برہمچاریہ معمولی معنی میں بھی شاستروں کے اندر بڑا مشکل کام کہا گیا ہے یہ بڑی حد تک ٹھیک ہی مگر آپ کی اجازت ہو تو میں چند باتیں عرض کروں۔

برہمچاریہ مشکل اس لیے سمجھا جاتا ہے کہ ہم حواس خمسہ کو قابو میں نہیں رکھتے مثال کے طور پر ذائقہ کو لے لیجیے جو اور سب حسوں پر حاوی ہے۔ برہمچاریہ اس شخص کیلئے بہت آسان ہے جسے اپنے ذائقے پر قابو ہو حیوانیات کے ماہر کہتے ہیں کہ جانور مثلاً مویشی انسانوں سے زیادہ برہمچاریہ برتتے ہیں اور یہ واقعہ ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مویشی کو اپنے ذائقے پر پورا قابو حاصل ہے۔ ارادی طور پر نہیں بلکہ جبلّی طور پر وہ صرف دانے چارے پر زندگی

---

[1] یہ ینگ انڈیا' دیسائی کا کیا ہوا ترجمہ ہے مہاتماجی کی ایک گجراتی تقریر کا جو انھوں نے مجلد ان کی سیوا سماج میں کیا تھا۔ اور اس کی رپورٹ ۲۶ر فروری ۱۹۲۵ء کے نوجیون میں چھپی تھی۔

بسر کرتے ہیں اور اس کی بھی صرف اتنی مقدار صرف کرتے ہیں جو جسم کو غذا پہنچانے کے لئے
کافی ہو وہ کھانے کے لئے جیتے نہیں بلکہ جینے کے لئے کھاتے ہیں اور ہمارا معاملہ اس کے
برعکس ہے ماں اپنے بچے کو طرح طرح کے مزیدار کھانے کھلا کر اس کی عادت بگاڑ دیتی ہے اپنے
نزدیک وہ اپنی محبت کا ثبوت صرف اسی طرح دے سکتی ہے کہ بچے کو خوب کھلائے مگر اس
طرح کھانے میں بچے کو زیادہ لطف نہیں آتا بلکہ ہر چیز بے مزا معلوم ہوتی ہے ہر چیز سے طبیعت
کو کراہت سی ہوتی ہے۔ ہم قسم قسم کے مسالے ڈال کر نئے نئے کھانے پکاتے ہیں اور پھر جب
برہمچاریہ برتنے میں دشواری پیش آتی ہے تو ہمیں تعجب ہوتا ہے ۔

ہم ان آنکھوں کا جو خدا نے ہمیں دی ہیں ناجائز استعمال کر کے انھیں گمراہ کر دیتے
ہیں کیا وجہ ہے کہ ہر ماں گیاتری کو نہ سیکھے اور اپنے بچے کو نہ سکھائے اسے اس منتر کے
گہرے اور اندرونی مطالب میں سر کھپانے کی ضرورت نہیں وہ اتنا سمجھ لے اور بچے کو
سمجھا دے کہ اس میں سورج کے احترام کی ہدایت کی گئی ہے تو کافی ہے۔ میں آپ کے سامنے
اس منتر کے معنی سرسری طور پر بیان کرتا ہوں ہمیں سورج کا احترام کس طرح کرنا چاہیئے؟
اس کی طرف دیکھیں اور اس طرح گویا آنکھوں کو غسل دے کر پاک کریں۔ گیاتری کا
مصنف رشی یعنی عارف تھا اس کی تعلیم یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے وقت جو منظر ہمارے
سامنے ہوتا ہے اس سے زیادہ خوبصورت ڈراما ہمیں کہیں اور نظر نہیں آ سکتا ۔ اور نہ
خدا سے زیادہ عظمت و جلال کا کوئی اسٹیج منیجر ہے نہ آسمان سے بڑھ کر شاندار کوئی
اسٹیج۔ مگر کونسی ماں بچے کا منھ دھلانے کے بعد اس سے کہتی ہے کہ ذرا آنکھ اٹھا کر آسمان
کو دیکھے بدقسمتی سے ہمارے ملک میں مائیں اور ہی کاموں میں مصروف رہتی ہیں ممکن
ہے کہ بچہ اسکول کی تعلیم کی بدولت کسی بڑے عہدے پر پہنچ جائے مگر ہم اس کا خیال
نہیں رکھتے کہ گھر کی فضا کو تعلیم میں بہت کچھ دخل ہے ماں باپ بچوں کو بھاری کپڑے
پہناتے ہیں کہ ان کا دم گھٹنے لگتا ہے اور یہ سمجھ کر خوش ہوتے ہیں کہ ان کے حسن میں اضافہ

کر رہے ہیں کپڑوں کا کام صرف جسم کو ڈھکنا ہے، اسے سردی گرمی سے بچانا ہے، نہ کہ اسے سنوارنا۔ اگر بچہ سردی سے کانپتا ہو تو اسے الاؤ کے پاس بھیجئے۔ کہ ذرا دیر تاپ لے یا سڑک پر بھیجئے کہ ایک دوڑ لگائے۔ صرف اسی طرح ہم اسے بدن کے بنانے میں مدد دے سکتے ہیں۔ اگر ہم اسے گھر میں بند رکھیں تو اس کے جسم میں جھوٹی گرمی پیدا ہو جائے گی۔ اُسے آرام طلبی سکھا کر ہم اسے قوی برباد کر دیتے ہیں۔

یہ تو ہوئے کپڑے۔ پھر گھر میں جو لاابالی گفتگو ہوا کرتی ہے وہ بھی بچے کی طبیعت پہ بہت خراب اثر ڈالتی ہے۔ بڑے اس کی شادی کی باتیں کرتے ہیں۔ جو چیزیں وہ اپنے آس پاس دیکھتا ہے وہ بھی اسے بگاڑتی ہیں۔ تعجب تو یہ ہے کہ ابھی تک وحشت اور جہالت کی انتہا کو نہیں پہنچے ہیں۔ باوجود ان حالات کے جنھوں نے ضبط نفس کو قریب قریب ناممکن کر دیا ہے کچھ لوگ اسے برتتے ہیں۔ قدرت کی شفقت اور کارسازی دیکھو کہ انسان خود اپنی تباہی کے درپے ہے مگر وہ بچا دیا جاتا ہے۔ اگر ہم برہمچاریہ کی راہ سے ساری رکاوٹیں دور کر دیں تو اس کا برتنا ممکن ہی نہیں بلکہ آسان ہو جاتا ہے۔

ہماری کمزوری کا تو یہ حال ہے اور ہمیں مقابلہ دنیا میں ایسے لوگوں سے کرنا ہے جو ہم سے بہت زیادہ مضبوط ہیں۔ اس کے دو طریقے ہیں ایک الہی دوسرا شیطانی۔ شیطانی طریقہ یہ ہے کہ جائز یا ناجائز جتنی تدبیریں بھی ممکن ہوں جسم کی نشو و نما کے لئے استعمال کی جائیں مثلاً گائے کا گوشت کھانا وغیرہ۔ میرا ایک بچپن کا دوست یہ کہا کرتا تھا کہ ہمیں گوشت کھانا چاہیئے ورنہ ہم جسم کو ایسا نہیں بنا سکیں گے کہ انگریز سے ٹکر لیں۔ جاپان کو جب موقع پیش آیا کہ اسے دوسری قوموں کا مقابلہ کرنا تھا تو وہاں گائے کا گوشت کھانے کا رواج ہو گیا۔ اگر ہم اپنا بدن شیطانی طریقے سے بنانا چاہیں تو ہمیں بھی اس کی تقلید کرنا چاہیئے۔

لیکن اگر ہم اپنا بدن الہی طریقے سے بنائیں تو ہمارے لئے صرف ایک ہی تدبیر ہے اور وہ

برہمچاریہ ہے۔ مجھے لوگ 'نائستھک' برہمچاری کہتے ہیں تو میں اپنے حال پر افسوس کرتا ہوں بھلا یہ لقب مجھ جیسے شخص پر جو بیوی بچوں والا ہے کیونکر صادق آسکتا ہے 'نائستھک' برہمچاری کو کبھی بخار، سر کے درد، کھانسی، اپینڈیسائٹس کی شکایت نہیں ہوتی جو مجھے ہو چکی ہے ماہرین طب کہتے ہیں کہ اپینڈیسائٹس ایک چھوٹے سے نارنگی کے بیج تک کے آنتوں میں رہ جانے سے ہو جاتا ہے۔ جب آنتیں کمزور ہو جاتی ہیں تو وہ اس قسم کے خارجی مادے کو باہر نہیں نکال سکتیں لیکن ایک صحت مند اور صاف ستھرے جسم میں نارنگی کا بیج زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتا میری آنتیں بھی ضرور کمزور ہو گئی ہوں گی اسی لئے مجھے اپینڈیسائٹس شروع ہوا بچے ہر قسم کی الم غلم چیزیں کھاتے ہیں اور مائیں ہر وقت ان کی نگرانی نہیں کر سکتیں مگر انھیں نقصان نہیں ہوتا اس لئے کہ اُن کی آنتیں بڑے زور شور سے کام کرتی رہتی ہیں غرض کوئی شخص مجھے غلطی سے 'نائستھک' برہمچاری نہ سمجھ لے کیونکہ وہ اور ہی مٹی کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ میں کامل برہمچاری نہیں ہوں گو میری یہ آرزو اور کوشش ضرور ہے۔

برہمچاریہ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان کسی عورت کو خواہ وہ اس کی بہن ہی کیوں نہ ہو کسی حالت میں بھی چھو نہ سکے۔ مگر یہ معنی ضرور ہیں کہ چھوتے وقت اس کی طبیعت کو بالکل سکون ہو گویا وہ فرض کر لیجئے کہ کاغذ کو چھو رہا ہے۔ ایک مرد کا برہمچاریہ بے کار ہے اگر اسے اپنی بیمار بہن کی تیمارداری میں تامل ہو۔ اسے دنیا کی سب سے حسین دوشیزہ کو چھونے میں اسی طرح ہیجان سے خالی ہونا چاہیئے جیسے ایک مردہ جسم کو چھونے میں اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے بچے اس طرح کے برہمچاری بنیں تو ان کا نصاب تعلیم مرتب کرنا آپ کے ہاتھ میں نہیں ہونا چاہیئے بلکہ مجھ جیسے برہمچاری کے ہاتھ میں چاہے وہ ادھورا ہی کیوں نہ ہو۔

برہمچاری فطری طور پر سنیاسی ہوتا ہے۔ برہمچاریہ آشرم سنیاس سے برتر ہے

مگر ہم نے اسے گرا دیا ہے اور اسی لئے گرہست آشرم اور وناپرست آشرم بھی گر گیا اور سنیاس تو جاتا ہی رہا یہ حال زار ہے جس میں ہم مبتلا ہیں۔

اگر ہم وہ شیطانی طریقہ اختیار کریں جس کا میں نے ذکر کیا ہے تو ہم پانسو سال میں بھی پٹھانوں کا مقابلہ نہیں کر پائیں گے لیکن اگر ہم الٰہی طریقہ اختیار کریں تو آج ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں کیونکہ اس کے لیے جس نفسی کیفیت کی ضرورت ہے اس کا پیدا ہونا ایک لمحہ کا کام ہے اور اپنے جسم کو مطلوبہ معیار تک پہنچانے کے لئے مدتیں درکار رہیں انشاء اللہ ہماری قوم الٰہی طریقے پر چلے گی بشرطیکہ والدین آئندہ نسلوں کے لئے وہ ماحول پیدا کر دیں جو برہمچاریہ برتنے کے لئے ضروری ہے۔

چھٹا باب

برہمچاریہ[1]

اس موضوع پر قلم اٹھانا آسان نہیں ہے مگر چونکہ میرا تجربہ خاصا وسیع ہے اس لئے
میں ہمیشہ یہ چاہتا ہوں کہ اس کے بعض نتائج پڑھنے والوں کے سامنے پیش کرتا رہوں
بعض خطوط جو میرے پاس آئے ہیں اس خواہش کو اور تقویت پہنچی۔

ایک صاحب لکھتے ہیں :-

برہمچاریہ کیا چیز ہے؟ کیا اسے کامل طور سے برتنا ممکن ہے؟ اگر ہے تو آپ اس
درجہ پر پہنچ گئے ہیں؟

برہمچاریہ کا اصل مفہوم ہے برہما کی تلاش۔ چونکہ برہما ہم سے ہر ایک کے اندر موجود
ہے اس لئے ہمیں چاہئے گیان دھیان کے ذریعہ سے اسے اپنے نفس میں تلاش کریں
اور اس کی معرفت حاصل کریں۔ معرفت اس وقت تک ناممکن ہے جب تک ہمیں
کل حواس پر پورا قابو نہ ہو۔ اس لئے برہمچاریہ کے معنی ہیں کل حواس کا کامل ضبط ہر
وقت ہر مقام پر، خیال میں، قول میں اور فعل میں۔

کامل برہمچاری مرد اور عورت گناہ سے پاک ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ خدا سے
قریب ہیں۔ ان میں خدا کی جھلک نظر آتی ہے۔

مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ کامل طور پر برہمچاریہ برتنا ممکن ہے۔ میں افسوس

---

[1] نوجیون بابتہ ۲۵ مئی ۱۹۲۴ء کے ایک مضمون کا ترجمہ از دالجی گووندجی ویسائی۔

کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں اس کمال کو نہیں پہنچا ہوں اگرچہ میری کوشش اس بارے میں ہمیشہ جاری
رہتی ہے اور میں نے ابھی تک یہ امید نہیں چھوڑی ہے کہ اسی زندگی میں یہ دولت حاصل
کرلوں گا

جب تک میں جاگتا ہوں ہمیشہ چوکس رہتا ہوں میں نے اپنے جسم پر قابو حاصل کر لیا
ہے گفتگو میں خاصے ضبط سے کام لیتا ہوں لیکن جہاں تک خیالات کا تعلق ہے ابھی مجھے
بہت کچھ کرنا باقی ہے جب کبھی میں ایک خاص موضوع پر اپنے خیالات جمع کرنا چاہتا ہوں
تو اور خیال بھی آجاتے ہیں اور ان میں ایک کشمکش سی ہوتی ہے لیکن جب تک میں جاگتا رہتا
ہوں انھیں آپس میں ٹکرانے نہیں دیتا. کہا جاسکتا ہے کہ میں اس منزل پر پہنچ گیا ہوں
جہاں ناپاک خیالات دل سے دور ہو جاتے ہیں. مگر سوتے میں اپنے خیالات کو میں اس حد
تک قابو میں نہیں رکھ سکتا نیند میں طرح طرح کے خیالات آتے ہیں اور ایسے خواب بھی نظر
آتے ہیں جن کی توقع نہیں ہوتی بعض وقت ان لذتوں کی طلب دل میں اٹھتی ہے جن کا
مزا میں پہلے چکھ چکا ہوں جب یہ طلب ناپاک ہوتی ہے تو برے خواب نظر آتے ہیں یہ
حالت گناہ کی زندگی پر دلالت کرتی ہے۔

میرے دل میں گناہ کے خیالات چوٹ کھا چکے ہیں مگر ابھی مرے نہیں ہیں اگر میں
اپنے خیالات پر پورا قابو رکھتا ہوتا تو پچھلے دس سال میں مجھے سینہ کے ورم، پیچش اور
اپنڈیسائٹس کی شکایت نہ ہوتی میرا عقیدہ ہے کہ جب روح گناہ سے خالی ہوتی ہے
تو جسم بھی جو اس کا گھر ہے صحت مند ہوتا ہے یعنی جوں جوں روح گناہ سے پاک ہوتی جاتی
ہے جسم مرض سے پاک ہوتا جاتا ہے لیکن یہاں صحت مند جسم سے مضبوط جسم مراد نہیں قوی
روح صرف کمزور ہی جسم میں رہتی ہے جوں جوں روح کی قوت بڑھتی جاتی ہے جسم گھٹتا جاتا
ہے ممکن ہے ایک کامل صحت مند جسم بالکل دبلا پتلا ہو. مضبوط جسم اکثر بیمار رہا کرتا ہے اور اگر
کوئی بیماری نہ بھی ہو تو دوسرے بیماروں کی چھوت آسانی سے لگ جاتی ہے. برخلاف اس

کے کامل صحت مند جسم چھوت سے محفوظ رہتا ہے صاف خون میں یہ قوت موجود ہے کہ تمام مضر جراثیم کو خارج کر دے۔

اس میں شک نہیں کہ اس عجیب و غریب کیفیت کا حاصل کرنا دشوار ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں اب تک حاصل کر چکا ہوتا اس لئے کہ مجھے یقین ہے میں نے اس کے لیے کوئی تدبیر اٹھا نہیں رکھی کوئی خارجی رکاوٹ ایسی نہیں ہے جو مجھے میرے مقصد سے باز رکھ سکے لیکن انسان کو یہ قدرت نہیں کہ پچھلے افعال کے اثرات کو آسانی سے مٹا سکے میں اس دیر کے باوجود مایوس نہیں ہوں کیونکہ میں ایسی حالت کا تصور کر سکتا ہوں جب انسان گناہ سے بری ہو بلکہ اس کی ایک خفیف سی جھلک بھی دیکھ سکتا ہوں جتنی ترقی میں نے کی ہے اس سے امید ہی پیدا ہوتی ہے یاس کی کوئی وجہ نہیں اور اگر میں اپنی اس چیز کی جس کی مجھے آرزو ہے حاصل کئے بغیر مر بھی جاؤں تو میں یہ نہیں سمجھوں گا کہ مجھے شکست ہوئی اس لیے کہ مجھے آنے والی زندگی کا اسی قدر وثوق ہے جیسا اس زندگی کا چنانچہ میں یہ جانتا ہوں کہ ایک ادنیٰ سی کوشش بھی بے کار نہیں جاتی۔

میں نے یہاں اپنی زندگی کے واقعات کا ذکر اس لئے چھیڑ دیا کہ وہ حضرات جنہوں نے مجھے خط لکھا ہے اور دوسرے لوگ جو اس حال میں ہوں تقویت حاصل کریں اور ان میں اعتماد نفس پیدا ہو۔ ہم سب کے اندر ایک ہی آتما ہے تمام روحوں میں برابر امکانات ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ بعض نے اپنی قوتوں کو نشو و نما دی ہے اور بعض کے نفس میں وہ اب تک خوابیدہ ہیں۔

یہاں تک میں نے برہمچاریہ کے وسیع مفہوم کا ذکر کیا ہے برہمچاریہ کا مفہوم جو عام طور پر رائج ہے وہ یہ ہے جذبۂ شہوانی کا ضبط، خیال، قول اور فعل میں یہ معنی بھی صحیح ہیں کیونکہ اس جذبے کا ضبط بہت ہی مشکل چیز سمجھی جاتی ہے۔ ذائقے کے ضبط پر اتنا زور نہیں دیا گیا اس لئے جذبۂ شہوانی کا ضبط زیادہ دشوار بلکہ قریب قریب ناممکن

ہو گیا ہے۔ ماہرین طب کا خیال ہے کہ یہ جذبہ اس جسم میں جو بیماری سے گھل گیا ہو اور زیادہ قوی ہوتا ہے اس لیے ہماری کمزور قوم کو برہمچاریہ مشکل معلوم ہوتا ہے۔

میں نے جہاں کمزور جسم کہا ہے وہاں صحت مند بھی کہہ دیا ہے۔ اس لئے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ ہمیں جسمانی نشو و نما سے غفلت کرنا چاہیئے میں نے چھوٹے چھوٹے لفظوں میں برہمچاریہ کی بہترین صورت بیان کی ہے۔ ممکن ہے اس کے سمجھنے میں غلطی ہو جو شخص تمام حواس پر پورا پورا قابو حاصل کرنا چاہتا ہے اسے جسمانی کمزوری لاحق ہو تو اس کا خیر مقدم کرنے کیلئے بھی تیار رہنا چاہیئے۔ جب جسم کی محبت باقی نہ رہے تو جسمانی طاقت کی خواہش بالکل جاتی رہتی ہے۔

مگر جس برہمچاریہ نے ہیمی جذبے پر قابو پالیا ہے اس کا جسم یقیناً بہت مضبوط اور شاندار ہوگا یہ محدود برہمچاریہ بھی عجیب و غریب چیز ہے جو شخص خواب کی حالت میں بھی خواہش نفس سے آزاد رہتا ہے وہ اس قابل ہے کہ دنیا اس پرستش کرے ظاہر ہے دوسرے حواس کا ضبط اس کے لئے آسان چیز ہے۔

ایک اور دوست لکھتے ہیں:-

"میری حالت قابل افسوس ہے برے خیالات مجھے دن رات، دفتر میں، راستے میں پڑھتے وقت، کام کرتے وقت، یہاں تک کہ دعا مانگتے وقت بھی یکساں ستاتے رہتے ہیں۔ آخر میں اپنے خیالات پر کس طرح قابو حاصل کروں؟ سب عورتوں کو کیونکر ماں کے برابر سمجھوں اس کی کیا تدبیر ہے کہ آنکھوں سے سوائے پاک محبت کے اور کوئی چیز ظاہر نہ ہو میں کیسے فاسد خیالات کو دل سے نکال کر پھینک دوں؟ میرے سامنے آپ کا مضمون برہمچاریہ کے متعلق ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اس سے بالکل فائدہ نہیں اٹھا سکتا"

واقعی بڑی دل گداز حالت ہے۔ ہم میں سے اکثر اسی مصیبت میں گرفتار ہیں لیکن جب تک نفس فاسد خیالات کا مقابلہ کرنے کو ملیار رہے مایوسی کی کوئی وجہ

ہنیں۔ اگر آنکھ سے گناہ ہوتا ہو تو آنکھیں بند کر لینی چاہئیے کانوں سے ہوتا ہو تو کانوں میں روئی
ٹھونس لینا چاہئیے یہ بڑی اچھی تدبیر ہے کہ انسان نظر جھکا کر چلے تاکہ آنکھیں ادھر ادھر نہ
بھٹکیں۔ جہاں گندی گفتگو ہو رہی ہو یا گندے گیت گائے جا رہے ہوں وہاں سے بھاگے
ذائقے کو قابو میں لانا چاہئیے میرا تجربہ یہ ہے کہ جس شخص نے ذائقے کو مغلوب ہنیں
کیا وہ ہیجی جذبے کو بھی ضبط ہنیں کر سکتا۔ زبان کی چاٹ پر قابو پانا کھیل ہنیں ہے مگر
ہیجی جذبے کا ضبط ذائقے کے ضبط کے ساتھ وابستہ ہے ذائقہ کو قابو میں للنے کا ایک
طریقہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو انسان ہر قسم کے مسالے کھانا چھوڑ دے اس سے بڑھکر
موثر تدبیر۔ اپنے دل میں یہ خیال پیدا کرنی ہے کہ ہم کھانا جسم کی بقا کے لئے کھاتے ہیں نہ
کہ ذائقے کے لئے ہم ہوا میں سانس ذائقے کی خاطر ہنیں بلکہ زندہ رہنے کے لئے لیتے ہیں
جس طرح ہم پانی اپنی پیاس بجھانے کے لئے پیتے ہیں اسی طرح کھانا بھوک کو تسکین دینے
کے لئے کھانا چاہئیے بدقسمتی سے ہمارے والدین ہمیں بچپن سے اس کا الٹا سکھاتے ہیں
وہ ہمیں طرح طرح کی مزیدار چیزیں جسم کی تقویت کے لئے نہیں بلکہ غلط محبت کی وجہ سے
کھلا کر ہماری عادت بگاڑ دیتے ہیں ہمیں اس ناموافق گھر کے ماحول سے جنگ کرنا ہی۔
لیکن ہیجی قوت پر فتح پانے میں ہمارا سب سے زبردست یاور "رام نام" یا اسی طرح
کا اور کوئی منتر ثابت ہوگا۔ دوادش منتر سے بھی یہ غرض پوری ہو سکتی ہے۔ انسان جس
منتر کا چاہے ورد کر سکتا ہے میں نے رام نام کو اس لئے تجویز کیا ہے کہ میں بچپن سے اس سے
واقف ہوں اور اس نے ہر مشکل میں میری دستگیری کی ہے۔ مگر جو کوئی منتر بھی منتخب کیا
جائے اس میں انسان کو بالکل محو ہو جانا چاہئیے اگر منتر کو جپنے کے دوران میں اور
خیالات سے دھیان بٹے تو اس کی پروا ہنیں کرنا چاہئیے مجھے یقین ہے کہ جو شخص اس
کے باوجود صدق دل سے اسے برابر جپتا رہے گا وہ آخر میں فتح پائے گا۔
یہ منتر اس کی زندگی کا سہارا بن جائے گا اور ہر مصیبت میں اس کے کام آئے گا

ان پاک منتروں سے انسان کو دنیاوی نفع کی طمع نہیں کرنا چاہیئے ان کا مخصوص اثر یہ ہے
کہ یہ پڑھنے والے کی عفت کی حفاظت کرتے ہیں اور ہر شخص جو اپنی طلب میں صادق ہے
بہت جلد یہ حقیقت کھل جائے گی۔ البتہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ منتر طوطے کی طرح رٹنے کیلئے
نہیں ہے انسان کو اپنی روح اس کے اندر ڈال دینا چاہیئے۔ طوطا ایسے منتر بے سمجھے دہرا
دیتا ہے ہمیں چاہئے کہ انھیں سمجھ بوجھ کر اس امید پر جپیں کہ برے خیالات ہمارے دل سے
نکل جائینگے اور پورا بھروسہ رکھیں کہ یہ منتر اس معاملے میں ہماری مدد کریں گے۔

ساتواں باب

حق اور برہمچاریہ کا مقابلہ[ل]

ایک دوست مہادیو دیسائی کو لکھتے ہیں:-

"آپ کو یاد ہوگا کہ کچھ دن ہوئے نوجیون میں گاندھی جی کا ایک مضمون برہمچاریہ کے متعلق شائع ہوا تھا اور آپنے ینگ انڈیا میں اس کا ترجمہ کر دیا تھا اس مضمون میں گاندھی جی نے اعتراف کیا تھا کہ انھیں اب تک برے خواب نظر آتے ہیں اس کو پڑھتے ہی مجھے یہ خیال ہوا کہ اس قسم کے اعتراف سے مضر اثرات پیدا ہوں گے چنانچہ کچھ عرصے بعد میرا یہ اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔

ہم چند دوستوں نے اپنے قیام انگلستان کے زمانے میں بہت سی تحریصوں کے باوجود اپنے چال چلن پر دھبا نہیں آنے دیا ہم لوگ شراب بدکاری اور گوشت سے بالکل بچے رہے مگر گاندھی جی کا مضمون پڑھنے کے بعد ایک دوست یاس سے مغلوب ہو کر کہہ اٹھنے لگے جب گاندھی جی کا اتنی زبردست کوشش کے بعد یہ حال ہے تو پھر ہم کس شمار میں ہیں؟ برہمچاریہ کے پھیر میں پڑنے سے کچھ فائدہ نہیں مجھے تو آج سے سمجھ لو کہ یہ ہاتھ سے گیا تھوڑے سے تامل کے بعد میں نے اسے سمجھایا اگر یہ راہ گاندھی جی جیسے آدمی کے لئے کٹھن ہے تو ہمارے لئے اور بھی کٹھن ہے اس لئے ہمیں چاہیئے کہ پہلے سے چوگنی کوشش کریں یہ اسی طرح کی دلیل ہے جیسی آپ یا گاندھی جی پیش کرتے مگر

ل ۲۵ فروری ۱۹۲۶ء کے ینگ انڈیا سے نقل کیا گیا۔

اس سے کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا۔ ایک شخص جس کی سیرت اب تک بے داغ تھی کیچڑ میں آلودہ ہو کر رہ گیا۔ اگر کوئی اس خرابی کا ذمہ دار گاندھی جی کو قرار دے تو آپ یا گاندھی جی کیا کہیں گے؟ جب تک میرے سامنے یہ ایک ہی مثال تھی میں نے آپ کو نہیں لکھا ممکن تھا آپ کہکر ٹال دیتے کہ یہ ایک غیر معمولی صورت تھی مگر ایسی مثالیں اور بھی نظر آئیں اور مجھے جتنا اندیشہ تھا اس سے بھی بڑھکر خراب نتیجہ نکلا۔

"میں جانتا ہوں کہ بعض چیزیں گاندھی جی کے لیے آسان ہیں تو میرے لئے ناممکن ہیں لیکن خدا کے فضل سے میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ ممکن ہے کوئی بات جو گاندھی جی سے بھی نہ ہو سکے وہ مجھ سے بن آئے اسی احساس یا غرور نے مجھے گرنے سے بچایا ہے کو مذکورہ بالا اعتراض سے میرے بھی اوسان جاتے رہے۔"

"براہ عنایت گاندھی جی کو اس بات کی طرف توجہ دلائیے خصوصاً اس وقت جب وہ آپ بیتی لکھنے میں مصروف ہیں۔ مانا کہ سچ بولنا اور کھری کھری بات کہنا بہت اچھی چیز ہے مگر دنیا کو اور نوجیون اور ینگ انڈیا کے پڑھنے والوں کو غلط فہمی ہو گی۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ چیز جو ایک کے لیے تریاق ہے دوسرے کے لئے زہر نہ ثابت ہو"

اس شکایت سے مجھے تعجب نہیں ہوا۔ جب ترک موالات کا زور تھا اور اسی کشمکش کے زمانے میں میں نے اپنی رائے کی غلطی کا اعتراف کیا تھا تو ایک دوست نے مجھے لکھا تھا "اگر یہ خطا بھی تھی تو آپ کو اس کا اعتراف نہیں کرنا چاہیے تھا لوگوں کے اس خیال کو تقویت پہنچانا چاہیے کہ کم سے کم ایک شخص ایسا ہے جو خطا سے بری ہے آپ کو لوگ ایسا سمجھتے تھے اب آپ کے اعتراف سے ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔" اس پر مجھے ہنسی بھی آئی اور رنج بھی ہوا خط لکھنے والے کے بھولے پن پر ہنسی آئی مگر میرے لئے یہ خیال تک ناقابل برداشت ہے کہ لوگوں کو شہ دی جائے کہ وہ ایک خاطی انسان کو خطا سے بری سمجھیں انسان جیسا ہے اسے ویسا ہی سمجھنے سے لوگوں کو ہمیشہ فائدہ ہوگا کبھی نقصان نہیں ہوگا۔ مجھے پوری طرح یقین ہے

کہ میرا اپنی خطاؤں کا اعتراف کرنا ہمیشہ سب کے لئے مفید ثابت ہوا ہے کم سے کم مجھے تو اس سے برکت ہی حاصل ہوئی ہے۔

یہی بات میں بڑے خوابوں کے اعتراف کے معاملے میں بھی کہ سکتا ہوں اگر میں کامل برہمچاری ہونے کا دعوی کروں حالانکہ میں ایسا نہیں ہوں تو اس سے دنیا کو بہت بڑا نقصان پہنچے گا اس سے برہمچاریہ کے نام کو داغ لگ جائے گا اور حق کی آب و تاب ماند پڑ جائے گی میں جھوٹے دعوے کرکے برہمچاریہ کا رتبہ کیونکر گھٹاؤں؟ میں آج یہ دیکھ رہا ہوں کہ جو ذریعے برہمچاریہ کے برتنے کے میں نے تجویز کیے ہیں وہ ناکافی ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ ہر صورت میں موثر ثابت ہوں اس لئے یہ ہے کہ میں خود کامل برہمچاری نہیں ہوں۔ کتنی بری بات ہوگی کہ میں یہ گوارا کروں کہ دنیا مجھے کامل برہمچاری سمجھتی رہی اور میں برہمچاریہ کی سیدھی راہ نہ دکھا سکوں۔

کیا دنیا کو یہ معلوم ہو جانا کافی نہیں کہ میں سچا طالب ہوں، ہمیشہ چوکس رہتا ہوں اور میری کوشش ان تھک اور اٹل ہے؟ کیا یہ دوسروں کی ہمت افزائی کے لئے کافی نہیں؟ غلط مقدمات سے نتیجے نکالنا کسی طرح جائز نہیں، سب سے مناسب یہ ہے کہ جو چیز عملاً حاصل ہو چکی ہو اسی سے نتیجہ نکالا جائے آخر یہ استدلال کیوں کیا جائے کہ جب میرا جیسا آدمی ناپاک خیالات سے نہیں بچ سکتا تو پھر دوسروں کے لئے کوئی امید نہیں یہ کیوں نہ کیا جائے کہ جب گاندھی جیسا شخص جو ایک زمانے میں خواہش نفس کا بندہ تھا اپنی بیوی کا دوست اور بھائی بن کر رہ سکتا ہے اور حسین سے حسین لڑکی کو اپنی بہن یا بیٹی سمجھ سکتا ہے تو پھر عاجز سے عاجز اور گمراہ سے گمراہ لوگوں کے لئے بھی امید باقی ہے؟ جب خدا نے ایسے شخص پر جس کا دل خواہش نفس سے معمور تھا رحم کیا تو یقیناً وہ دوسروں پر بھی رحم کرے گا۔

خط لکھنے والے دوست جو میری خامیوں کا علم ہونے کے بعد پیچھے ہٹ گئے اصل میں

کبھی آگے بڑھے ہی نہ تھے۔ یہ چھوٹی نیکی تھی جو پہلے ہی جھونکے میں اڑ گئی حق اندر برہمچاریہ اور دوسرے ابدی اصول کا دارومدار میرے جیسے ناقص اشخاص پر نہیں ہے ان کی بنیاد ان لوگوں کی نفس کشی پر قائم ہے جنھوں نے انھیں اپنی سعی سے حاصل کیا اور اپنی زندگی میں پوری طرح برت کر دکھا دیا جب میں اس قابل ہو جاؤں گا کہ ان مکمل ہستیوں کی صف میں کھڑا ہو سکوں تو میرے الفاظ سے آج سے کہیں زیادہ عزم اور قوت ہوگی' وہ شخص جس کے خیالات راہ سے بھٹک کر بری باتیں نہیں سوچتے' جس کی نیند خوابوں سے آشنا نہیں ہے' جس کا دماغ سوتے میں جاگتا رہتا ہے' حقیقت میں تندرست ہی اسے کینین کے استعمال کی ضرورت نہیں اس کا خون جو فساد سے بری ہے خود اپنے اندر ہر قسم کے مضر جراثیم کو رفع کرنے کی خاصیت رکھتا ہے۔ یہی کامل جسمانی' نفسی' روحانی صحت ہے جس کے لیے میں کوشش کر رہا ہوں۔ یہ وہ کوشش ہے جو شکست یا ناکامیابی کو خاطر میں نہیں لاتی میں خط لکھنے والے کو ان کے سست اعتقاد دوستوں کو اور دوسرے لوگوں کو دعوت دیتا ہوں کہ اس کوشش میں شریک ہوں اور میری یہ آرزو ہے کہ وہ خط لکھنے والے کی طرح مجھ سے آگے بڑھ جائیں جو لوگ مجھ سے پیچھے ہیں انھیں میری مثال سے تقویت حاصل کرنا چاہیئے میں نے جو کچھ بھی پایا ہے باوجود کمزور ہونے کے باوجود خاطی ہونے کے پایا ہے محض اس وجہ سے کہ میں ان تھک کوشش کرتا ہوں اور خدا کے فضل پر بے حد بھروسا رکھتا ہوں۔

اس لیے کسی شخص کو بھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ میرا مہاتما کا خطاب ایک ڈھکوسلہ ہے یہ مجھے اپنے خارجی مشاغل کی وجہ سے ملا ہے یعنی اپنی سیاست کی بدولت جو میری ذات کا سب سے ادنیٰ پہلو ہے اور اسی وجہ سے ناپائدار ہے' جو چیز رہنے والی ہے وہ میرا حق پر' عدم تشدد پر' اور برہمچاریہ پر زور دینا ہے' اور یہی میری شخصیت کا حقیقی پہلو ہے خواہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو اسے حقیر نہ سمجھنا چاہیئے یہی میری کل کائنات ہے۔ ناکامیابیوں اور مایوسیوں کی بھی میری نگاہ میں بڑی قدر ہے کیونکہ یہ کامیابی کی سیڑھیاں ہیں

آٹھواں باب

پاکدامنی[1]

آج کل میرے پاس برہمچاریہ اور اس کے حاصل کرنے کے ذرائع کے بارے میں خط پر خط چلے آتے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اس کے متعلق پچھلے موقعوں پر جو کچھ کہا یا لکھا ہے اسے اب کسی قدر مختلف الفاظ میں دہرادوں۔ برہمچاریہ محض تجرد کا نام نہیں ہے اس سے مراد ہے تمام حواس کا کامل ضبط اور خیال، قول اور فعل میں خواہش نفس سے آزاد ہونا۔ اس حیثیت سے وہ اپنے نفس کی معرفت اور برہما کی معرفت کا سب سے سیدھا راستہ ہے۔

کامل برہمچاری کو خواہش نفس یا اولاد کی خواہش کا مقابلہ نہیں کرنا پڑتا یہ خواہش اس کے دل میں پیدا ہی نہیں ہوتی۔ اس کے نزدیک کل دنیا ایک بڑا خاندان ہے اس کی آرزو اور حوصلے کا مرکز نوع انسانی کی مصیبت کو دور کرنا ہے اور اولاد کی خواہش اسے زہر معلوم ہوتی ہے جس شخص نے نوع انسانی کی حالت زار کا پورا پورا اندازہ کرلیا ہے اسے ہوائے نفس نہیں ستاتی اسے خود بخود یہ معلوم ہوجائیگا کہ اس کے اندر قوت کا سرچشمہ کیا چیز ہے اور وہ ہمیشہ اسے آلودگی سے پاک رکھنے کی کوشش کرتا رہے گا۔ دنیا اس کی خاکساری کی قوت کا احترام کرے گی اور اس میں تاج وتخت کے مالک سے زیادہ قدرت ہوگی۔

مگر لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ یہ ایسا نصب العین ہے جس کا حاصل کرنا ناممکن ہے تم نے مرد اور عورت کی باہمی کشش کو مدنظر نہیں رکھا ہے۔ میں ہرگز یہ تسلیم نہیں کرسکتا کہ وہ جنسی

---

[1] منقول از ینگ انڈیا ۱۹ اپریل ۱۹۲۶ء وہاں اس کا عنوان تھا برہمچاریہ کے متعلق

کشش جس کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے کوئی فطری چیز ہے اگر ایسا ہوتا تو ہم جلد برباد ہو جاتے مرد اور عورت کا فطری رابطہ بھائی بہن، ماں بیٹے، باپ بیٹی کی محبت ہی اسی فطری کشش پر دنیا قائم ہے۔ اگر میں سب عورتوں کو بہنیں، بیٹیاں، یا مائیں نہ سمجھتا تو میرے لئے کام کرنا کیا جینا بھی دشوار ہو جاتا اگر میں ان کی طرف بری نظر سے دیکھتا تو میری ہلاکت یقینی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ تناسل فطری چیز ہے مگر خاص حدود کے اندر۔ ان حدود سے تجاوز کرتے ہی عورتیں خطرے میں پڑ جاتی ہیں۔ نسل کمزور ہو جاتی ہے، بیماری کا دروازہ کھل جاتا ہے بدکاری کو شہ ملجاتی ہے اور دنیا خدا کی راہ سے بھٹک جاتی ہے جو کوئی خواہش نفس کے پنجے میں گرفتار ہو اسکی حالت بے لنگر کے جہاز کی سی ہوتی ہے اگر ایسا شخص معاشرے کا رہنما بن جائے، اس کی ہدایت کے لئے بے شمار کتابیں لکھ ڈالے اور لوگ اس کی باتوں سے متاثر ہونے لگیں تو پھر معاشرے کی کیا گت ہوگی؟ مگر آج یہی چیز ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ فرض کیجئے کہ ایک پروانہ جو شمع کے صدقے ہو رہا ہے اپنے عارضی مسرت کے لمحوں کی داستان لکھے اور ہم اس کی مثال کی تقلید کرنے لگیں تو ہمارا کیا حشر ہوگا۔؟ نہیں، نہیں میں تو اپنی پوری قوت کے ساتھ یہی کہوں گا کہ جنسی کشش خواہ وہ میاں بیوی کے درمیان ہو خلاف فطرت ہے۔ شادی کا مقصد یہ ہے کہ وہ مرد اور عورت کے دلوں کو ادنیٰ جذبات سے پاک کرے اور انھیں خدا سے قریب تر کر دے۔ میاں بیوی میں ایسی محبت جو ہوائے نفس سے خالی ہو نا ممکن نہیں ہے انسان وحشی جانور نہیں ہے۔ وہ بہائم کے درمیان بے شمار جنم لینے کے بعد برتر مرتبے پر پہنچ گیا ہے وہ اس لئے پیدا ہوا ہے کہ سر اٹھا کر سیدھا کھڑا رہے اس لئے نہیں کہ چاروں پیروں پر یا پیٹ کے بل رینگ کر چلے بہیمیت اور انسانیت میں اسی قدر تفاوت ہے جتنا مادے اور روح میں ہے۔

میں آخر میں مختصر طور پر یہ بتلائے دیتا ہوں کہ برہمچاریہ کے حاصل کرنے کے ذریعے

کیا ہیں۔ پہلا قدم تو یہی ہے کہ انسان اس کی ضرورت کو محسوس کرے۔

دوسرا یہ ہے کہ وہ رفتہ رفتہ اپنے حواس پر قابو حاصل کرے۔ برہمچاری کے لئے اپنے ذائقے کو قابو میں لانا نہایت ضروری ہے۔ اسے کھانا جینے کی غرض سے کھانا چاہیئے زبان کے مزے کے لئے نہیں وہ صرف پاک چیزیں دیکھے ناپاک چیزوں کی طرف سے آنکھ بند کر لے۔ چنانچہ یہ تہذیب کی نشانی ہے کہ انسان چلنے میں نظر زمین کی طرف رکھے اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا نہ چلے اسی طرح برہمچاری کوئی گندی بات نہ سنے نیز محرک خوشبو نہ سونگھے۔ صاف مٹی کی خوشبو مصنوعی عطروں اور روحوں سے کہیں بہتر ہے برہمچاریہ کے طالب کو یہ بھی چاہیئے کہ جب تک جاگتا رہے اپنے ہاتھوں اور پیروں کو مفید مشاغل میں لگائے رکھے کبھی کبھی فاقہ کرتا رہے۔

تیسرا قدم یہ ہے کہ پاک ساتھیوں، پاک دوستوں، اور پاک کتابوں کا انتخاب کرے آخری قدم جو سب سے بڑھ کر ہے دعا ہے وہ روز صدق دل سے رام نام کا وظیفہ پڑھے اور فضل الٰہی کا طالب ہو۔

ان میں سے کوئی چیز بھی معمولی مرد اور عورت کے لئے مشکل نہیں۔ بالکل سیدھی سادی باتیں ہیں لیکن یہ سادگی خود دشواری پیدا کرتی ہے۔ اگر نیت بخیر ہو تو راستہ سہل ہے لوگوں کی نیت ڈانواڈول ہوتی ہے اس لئے وہ بے فائدہ اندھیرے میں ٹٹولا کرتے ہیں۔ اسی بات سے کہ دنیا کا مدار کم و بیش برہمچاریہ یا ضبط نفس پر ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ضروری چیز ہے اور قابل عمل ہے۔

نواں باب

راز کی باتیں[۱]

میرے پاس بہت سے خط آیا کرتے ہیں جن میں لوگ مجھ سے تجرد کے متعلق سوالات پوچھتے ہیں اور میں اس معاملے میں اس قدر قطعی رائے رکھتا ہوں کہ قومی زندگی کے اس نازک وقت میں ینگ انڈیا کے پڑھنے والوں سے اپنے خیالات اور اپنے تجربوں کے نتائج کو پوشیدہ رکھنا میرے لئے مناسب نہیں ہے۔

سنسکرت لفظ جس کا ترجمہ تجرد کیا گیا برہمچاریہ ہے مگر اس کا مفہوم تجرد سے کہیں زیادہ وسیع ہے برہمچاریہ کے معنی ہیں تمام حواس اور اعضا کا کامل ضبط۔ کامل برہمچاری کے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں۔ لیکن یہ ایک نصب العین ہے جو شاذونادر حاصل ہوتا ہے یہ اقلیدس کے خط کی طرح سے ہے جس کا وجود صرف خیال میں ہے اور جو صوری حیثیت سے کبھی کھینچا ہی نہیں جا سکتا۔ پھر بھی یہ علم ہندسہ کی ایک اہم تعریف ہے جس سے بڑے بڑے نتائج نکلتے ہیں۔ اسی طرح ممکن ہے کہ کامل برہمچاری کا وجود صرف خیال ہی میں ہو۔ لیکن اگر ہم اس تصور کو برابر اپنی چشم دل کے آگے نہ رکھیں تو ہماری مثال ایک بے پتوار کشتی کی سی ہوگی۔ جس قدر ہم اس خیالی حالت کے قریب پہنچ جائیں اسی نسبت سے ہیں کمال کا درجہ حاصل ہو۔

مگر اس وقت میں برہمچاریہ کو صرف تجرد کے محدود معنی میں استعمال کروں گا میرا

۱؎ منقول از ینگ انڈیا ۱۳ اکتوبر سنہ ۲۰ء

خیال ہے کہ خیال، قول، اور فعل میں کامل پاکدامنی کی زندگی روحانی تکمیل کے مرتبے تک پہنچنے کے لیے لازمی ہے اور جس قوم میں ایسے لوگ نہیں ہوتے وہ اس کمی کی وجہ سے مفلوج ہی۔ مگر میرا مقصد یہ ہے کہ قومی ارتقا کی موجودہ منزل میں ایک عارضی ضرورت کے طور پر ہمچاریہ کی حمایت کروں۔

ہمارے ملک میں بیماری، قحط، افلاس کی کمی نہیں بلکہ لاکھوں کروروں فاقہ کشی کی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ ہم غلامی کی چکی میں کچھ ایسے غیر محسوس طریقے سے پس رہے ہیں کہ ہم میں سے بہت سے اس کو سرے سے غلامی سمجھتے ہی نہیں بلکہ معاشی دیتا اخلاق ہر طرح کے بوجھ میں دبے ہوئے ہیں۔ باوجود بھی اس دھوکے میں ہیں کہ ہم ترقی اور آزادی کی راہ پر چل رہے ہیں، فوج کے روز افزوں مصارف محصولوں کی پالیسی جو تجارت کرکے لنکاشائر کے اور دوسرے برطانوی اغراض کو فائدہ پہنچانے کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ سلطنت کے مختلف محکموں کو چلانے میں انتہائی فضول خرچی، ان سب چیزوں کا ہندوستان پر ایسا بار ہے کہ اس نے اس کے افلاس کو دوچند کر دیا ہے اور اس کے جسم میں مرض سے مقابلہ کرنے کی قوت باقی نہیں رکھی ہے۔ یہ قول گو گلے کے طریق حکومت نے قوم کی ایسی باڑہ ماری ہے کہ ہم میں جو اونچے سے اونچے ہیں انھیں بھی جھکنا پڑتا ہے یہاں تک کہ اتفاق میں ہندوستانی قوم پیٹ کے بل رینگ کر چلائی گئی ہے پنجاب کی بالقصد توہین اور ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ دیدہ دلیری سے بدعہدی کرکے معافی مانگنے سے انکار کیا یہ اخلاقی بوجھ کی تازہ ترین مثالیں ہیں۔ ان سے ہماری روح تک مجروح ہوتی جاتی ہے۔ اگر ہم نے یہ دونوں ظلم چپ چاپ برداشت کر لئے تو وہ عمل جو ہمیں کمزور کرنے کے لیے ہو رہا ہے مکمل ہو جائے گا۔

پھر کیا ایسی حالت میں ہم لوگوں کے لئے جو صورت حال سے واقف ہیں، یہ جائز ہے کہ اس ذلت کی فضا میں اولاد پیدا کریں؟ ایسی حالت میں کہ ہم اس طرح بیکس اور بے بس بیماریوں کے شکار قحط کے مارے ہوئے ہیں تو تناسل کے عمل کو جاری رکھنے کے

معنی یہی ہیں کہ ہم غلاموں اور معذوروں کی تعداد میں اضافہ کر رہے ہیں۔ جب تک ہندوستان آزاد ہو کر اس قابل نہ ہو جائے کہ فاقہ کشی کو جہاں تک ہو سکتا دور کر دے، قحط کے زمانے میں اپنا پیٹ بھر لے اور وہ علم حاصل کرے جس سے ملیریا، ہیضہ، نزلاوی بخار اور دوسری وباؤں کا سد باب ہو۔ اس وقت تک ہمیں اولاد پیدا کرنے کا کوئی حق نہیں مجھے پڑھنے والوں سے یہ بات چھپانا نہیں چاہئے کہ جب میں اس ملک میں بچے پیدا ہونے کی خبر سنتا ہوں تو مجھے رنج ہوتا ہے میں اعتراف کرتا ہوں کہ برسوں سے میں اس تجویز پر جوش سے غور کر رہا ہوں کہ اختیاری ضبط نفس کے ذریعے اولاد کا ہونا کچھ عرصے کے لئے بند کر دیا جائے۔ ہندوستان میں آج اتنی بھی مقدرت نہیں کہ اپنی موجودہ آبادی کی پرورش کر سکے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس کی آبادی حد سے زیادہ ہے بلکہ یہ ہے کہ وہ غیر قوم کی محکوم ہے جس کا اصول یہ ہے کہ رفتہ رفتہ اس کے سارے وسائل کو قبضہ میں کر کے اُن سے فائدہ اٹھائے۔

اولاد کی پیدائش کس طرح روکی جائے؟ ان منافی اخلاق مصنوعی تدبیروں سے نہیں جن سے یورپ میں کام لیا جاتا ہے بلکہ ریاضت اور ضبط نفس کی زندگی کے ذریعے۔ والدین کو چاہئے کہ اپنے بچوں کو برہمچاریہ برتنا سکھائیں ہندو شاستروں کی رو سے لڑکوں کے لئے شادی کی کم سے کم عمر پچیس برس رکھی گئی ہے اگر ہندوستان میں مائیں یہ سمجھنے لگیں کہ لڑکوں اور لڑکیوں شادی کی زندگی کے لئے تیار کرنا گناہ ہے تو ہمارے ملک کی آدھی شادیاں خود بخود بند ہو جائیں گی اور ہمیں یہ وہم بھی دل سے نکال دینا چاہیئے کہ گرم آب و ہوا کی وجہ سے لڑکیاں جلد بالغ ہو جاتی ہیں۔ اس سے بڑھکر غلط اور بے بنیاد عقیدہ میں نے بہت کم دیکھا ہے۔ میں دعوی سے کہتا ہوں کہ آب و ہوا کو بلوغ سے کوئی تعلق نہیں۔ قبل از وقت بلوغ کا سبب وہ ذہنی اور اخلاقی فضا ہے جس میں ہم اپنی گھریلو زندگی بسر کرتے ہیں مائیں اور دوسرے عزیز اپنا مذہبی فرض

سمجھ کر معصوم بچوں کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ ایک خاص عمر کو پہنچ کر ان کی شادی ہوگی شیر خواری
کے زمانے میں ان کی نسبت ہو جاتی ہے ان کی غذا اور لباس سے بھی جذبات کو تحریک ہوتی
ہے ہم اپنے بچوں کو گڑیوں کی طرح سنوارتے ہیں ان کی نہیں بلکہ اپنی خوشی کے لیے اور
شان دکھانے کی غرض سے میں نے بیسیوں لڑکوں کی تربیت کی ہے ان کو جو کپڑے دیے
جاتے تھے بے تکلف پہنتے تھے اور انھیں میں خوش رہتے تھے ہم انھیں طرح طرح کی گرم اور
محرک غذائیں کھلاتے ہیں ہماری اندھی محبت کو یہ نہیں سوجھتا کہ ان کی ضرورتیں کیا ہیں
اس کا نتیجہ یقیناً قبل از وقت بلوغ، کمزور اولاد اور کم سنی کی موت ہے ماں باپ سبق سکھاتے
ہیں اور بچے فوراً سیکھ جاتے ہیں اپنے جذبات کی اندھا دھند پیروی کرکے وہ بچوں کے لیے
بے لگام نفس پرستی کے نمونے بن جاتے ہیں ہر بچہ جو قبل از وقت خاندان میں پیدا ہوتا
ہے اس کی آمد کی خوشی میں باجے بجتے ہیں دعوتیں ہوتی ہیں تعجب ہے کہ ایسے ماحول کے باوجود
ہم اس سے زیادہ بے لگام نہیں ہیں مجھے اس میں ذرا سا بھی شبہ نہیں کہ اگر ماں باپ لوگ ملک
کا بھلا چاہتے ہیں اور ہندوستانیوں کو مضبوط، خوبصورت، قدآور مردوں اور عورتوں کی
قوم دیکھنے کے آرزو مند ہیں تو وہ کامل ضبط نفس سے کام لیں گے اور فی الحال اولاد پیدا
کرنا بند کر دیں گے میں یہ مشورہ ان لوگوں کو بھی دیتا ہوں جن کی شادی حال ہی میں ہوئی
ہے کسی کام کو شروع نہ کرنا اسے ترک کرنے سے زیادہ سہل ہے جس شخص نے کبھی شراب نہیں پی
اس کے لیے پرہیزگار رہنا آسان ہے مگر جو کثرت سے بلکہ اعتدال سے بھی پیتا ہے اس کے
لئے اسے چھوڑنا دشوار ہے گر کر اٹھنے سے سیدھا کھڑا رہنا کہیں زیادہ آسان ہے یہ غلط
ہے کہ پاکدامنی کی تعلیم انھیں لوگوں کو دی جا سکتی ہے جو لذت نفس سے سیر ہو چکے ہیں اسی
طرح جس شخص میں قوت نہیں اسے پاکدامنی کی تلقین کرنا بھی فضول ہے۔ میرا یہ کہنا ہے کہ خواہ
ہم بوڑھے ہوں یا جوان سیر ہو چکے ہوں یا نہ ہو چکے ہوں اس وقت ہمارا فرض ہے کہ اپنی
غلامی کے وارثوں کا پیدا کرنا بند کر دیں۔

شوہروں اور بیویوں سے میری گذارش ہے کہ آپ حقوق زوجین کی دلیل کے پھندے میں نہ پھنسنے لگا۔ طرف ثانی کی اجازت صحبت کے لئے ضروری ہے ضبط نفس کے لئے ضروری نہیں یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے۔

جب ہم ایک قوی سلطنت کے ساتھ ہلاکت خیز جنگ میں مصروف ہیں ہمیں ہر طرح کی جسمانی مادی، اخلاقی اور روحانی قوت درکار ہے۔ ہم یہ قوت اس وقت تک حاصل نہیں کرسکتے جب تک اس چیز کی نگہداشت نہ کریں جو سب سے زیادہ قابل قدر ہے پاکدامنی کے بغیر ہماری قوم بدستور غلام رہے گی ہمیں اپنے آپ کو اس خیال سے دھوکا نہ دینا چاہئیے کہ اگر ہم انگریزی نظام حکومت کو برا سمجھتے ہیں تو انگریز انفرادی حیثیت سے پاکدامنی میں ہم سے بڑھے ہیں وہ بغیر لہو و لعب اور نمائش کے اہم ترین نیکیوں کو کم سے کم جسمانی حیثیت سے دل کھول کر برتتے ہیں ان کے یہاں جو لوگ سیاسی کاموں میں مصروف ہیں ان میں بن بیاہے مرد اور عورت ہم سے کہیں زیادہ ہیں بن بیاہی عورتیں ہمارے یہاں سوائے بیراگنوں کے اتنی کم ہیں کہ نہ ہونے کے برابر ہیں اور یورپ میں ہزاروں عورتیں بن بیاہی رہنے پر فخر کرتی ہیں۔

اب میں پڑھنے والوں کے سامنے چند سیدھے سادے قاعدے پیش کرتا ہوں جو صرف میرے ہی نہیں بلکہ میرے بہت سے ساتھیوں کے تجربے پر مبنی ہیں۔

(۱) لڑکوں اور لڑکیوں کی تربیت نہایت سادہ اور فطری طریقے سے ہونا چاہئیے اور انھیں پوری طرح یقین دلانا چاہئیے کہ وہ معصوم ہیں اور رہ سکتے ہیں۔

(۲) سب لوگ محرک غذاؤں سے، مرچ مسالے وغیرہ سے، چکنی اور ثقیل چیزوں سے جیسے مٹھائیاں اور پکوان وغیرہ سے پرہیز کریں۔

(۳) میاں بیوی الگ الگ کمروں میں رہیں اور خلوت سے پہلو بچائیں۔

(۴) جسم اور ذہن دونوں ہمیشہ صحت بخش کاموں میں مصروف رکھے جائیں۔

(۵) سویرے سونے اور سویرے اٹھنے کی سختی سے پابندی کی جائے۔
(۶) ناپاک کتابوں سے احتراز کیا جائے ایسے خیالات کا توڑ پاک خیالات ہیں۔
(۷) تھیٹر، سینما وغیرہ سے جن سے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں دور رہنا چاہیئے۔
(۸) بدخوابی سے گھبرانا نہیں چاہیئے ایسی صورتوں میں اچھے مضبوط آدمی کے لئے روز ٹھنڈے پانی سے نہانا بہت اچھی روک ہے۔ یہ بالکل غلط ہے کہ کبھی کبھی صحبت کر لینے سے انسان بدخوابی سے محفوظ رہتا ہے۔
(۹) سب سے مقدم یہ ہے کہ انسان میاں بیوی کے درمیان پاکدامنی کو حد سے زیادہ مشکل اور قریب قریب محال سمجھنا چھوڑ دے بلکہ یہ سمجھے کہ ضبط نفس ایک فطری اور معمولی چیز ہے۔
(۱۰) اگر روز سچے دل سے پاکدامنی کی دعا مانگی جائے تو انسان رفتہ رفتہ پاکدامن ہو جاتا ہے۔

دسواں باب

نکاح کی ضرورت نہیں[1]

ایک صاحب نے جنھیں میں اچھی طرح جانتا ہوں اپنے خط میں یہ مسئلہ چھیڑا ہے۔ میرے خیال میں ان کی غرض محض علمی مباحثہ ہے۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ جو خیالات انھوں نے ظاہر کیے ہیں وہ ان کے نہیں ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں: "کیا ہمارا موجودہ اخلاق خلاف فطرت نہیں ہے۔ اگر یہ فطرت کے مطابق ہوتا تو ہر زمانے میں یکساں ہوا کرتا مگر ہر نسل اور ہر جماعت کے نکاح کے قوانین الگ ہوتے ہیں۔ اور ان پر عمل کر کے انسان، حیوانوں سے بدتر بن گئے ہیں۔ اس لئے کہ جن بیماریوں کا حیوانوں میں نام بھی نہیں وہ انسانوں میں عام ہیں۔ بچوں کا قتل، اسقاط کے واقعات، بچپن کی شادیاں جو بہائم میں قطعاً ناممکن ہیں، اس معاشرے پر لعنت بن کر مسلط ہیں جو نکاح کو ایک مذہبی رسم قرار دیتا ہے اور ان قوانین سے جنھیں ہم بڑے فخر سے اخلاقی قوانین کہتے ہیں بیشمار مضر نتائج پیدا ہوتے ہیں آخر ہندو بیواؤں کی افسوسناک حالت کا سبب سوائے نکاح کے موجودہ قوانین کے اور کیا ہے؟ ہم کیوں نہ فطری حالت کی طرف رجوع کر کے بہائم سے سبق حاصل کریں"؟

مجھے معلوم نہیں کہ یورپ میں بے قید محبت کے حامی انھیں دلیلوں سے کام لیتے ہیں جن کا خلاصہ اوپر بیان کیا گیا ہے یا ان کے پاس اس سے زیادہ قوی دلائل ہیں مگر یہ مجھے یقین ہے کہ نکاح کو وحشیانہ رسم سمجھنے کا رجحان صریحاً مغربی ہے اگر یہ استدلال

---

[1] نوجیون کے ایک مضمون کا ترجمہ اور خلاصہ از مہادیو دیسائی جو ۳ جون ۲۶ء کے ینگ انڈیا میں چھپا تھا۔

بھی مغرب ہی سے لیا گیا ہے تو اس کی تردید میں کوئی دشواری نہیں۔

اصل میں انسان اور حیوان میں مقابلہ کرنا ہی غلط ہے۔ اسی نے ساری دلیل کو خراب کر دیا ہے انسان اپنی اخلاقی جبلت اور اخلاقی قوانین کے اعتبار سے حیوانوں سے برتر ہے فطرت کا قانون اس کے لئے اور ہے ان کے لیے اور ہے۔ انسان میں عقل ہے، تمیز ہے اور اختیار ہے خواہ وہ جیسا کچھ بھی ہو۔ حیوان میں ان میں سے کوئی بھی چیز نہیں۔ وہ فاعل مختار نہیں اور بھلے برے نیک اور بد میں تمیز نہیں کر سکتا۔ انسان فاعل مختار ہے اور ان امتیازات کو جانتا ہے۔ جب وہ اپنی اعلیٰ فطرت کی پیروی کرتا ہے تو حیوان سے کہیں برتر ثابت ہوتا ہے لیکن جب ادنیٰ فطرت کی پیروی کرتا ہے تو حیوانوں سے فروتر نظر آتا ہے۔ دنیا میں جو قومیں سب سے زیادہ غیر مہذب سمجھی جاتی ہیں وہ بھی مرد عورت کے تعلقات پر کچھ نہ کچھ قیدیں عائد کرتی ہیں اگر یہ کہا جائے کہ قیدیں عائد کرنا خود ایک غیر حیوانی فعل ہے تو پھر انسانی قانون تمام قیود سے آزاد ہونا ٹھیرا۔ اگر سبھی لوگ اس قانون پر عمل کرنے لگیں تو چوبیس گھنٹے کے اندر دنیا تہ و بالا ہو جائے۔ انسان میں فطری طور پر جذبات کا جوش حیوانوں سے زیادہ ہوتا ہے اس لئے پابندیوں کے ہٹتے ہی اس کی طبیعت کا بے روک ہیجان آتش فشاں کے لاوے کی طرح تمام روئے زمین پر پھیل جائے گا اور نسل انسانی کو ہلاک کر دے گا۔ انسان حیوان سے صرف اسی بات میں برتر ہے کہ اس میں ضبط نفس اور قربانی کی صلاحیت ہے جس سے حیوان محروم ہے۔

بعض بیماریاں جو آج کل اس قدر عام ہیں شادی کے قوانین کی خلاف ورزی سے پیدا ہوتی ہیں۔ مجھے کوئی ایک مثال بھی بتا دے کہ جو شخص نکاح کے قانون کی سختی سے پابندی کرتا ہے اسے ان بیماریوں میں سے جو خط لکھنے والے کے ذہن میں ہیں کوئی بیماری ہوئی ہو۔ اس لئے کہ قانون کی رو سے عورت یا مرد کو اپنا جوڑا تلاش کرنے کی اسی وقت اجازت ہے جب وہ بالغ ہو، تندرست ہو، اور اسے اولاد کی خواہش ہو

جو لوگ سختی کے ساتھ اس قانون کی پابندی کرتے ہیں اور نکاح کو ایک مذہبی رسم سمجھتے ہیں انھیں کبھی رنج اور مصیبت کا سامنا نہیں ہوتا۔ جب نکاح مقدس مذہبی رسم سمجھا جائے تو میاں بیوی کا اتحاد محض جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہوتا ہے جو دونوں میں سے کسی کے مرنے کے بعد بھی فسخ نہیں ہوتا۔ جب سچا روحانی اتحاد ہو تو رانڈ یا رنڈوے کا دوبارہ شادی کرنا خلاف عقل، نامناسب اور ناجائز ہے۔ وہ شادیاں جن میں نکاح کے سچے قانون کی خلاف ورزی کی جائے شادیاں کہلانے کی مستحق نہیں اگر آج کل ایسے نکاح جو حقیقی معنی میں نکاح کہلائیں بہت کم ہوتے ہیں تو اس کا الزام نکاح کے قانون پر نہیں بلکہ اس کی موجودہ شکل پر ہے جس کی اصلاح کرنا چاہئیے۔

خط لکھنے والے صاحب کہتے ہیں کہ نکاح کوئی اخلاقی یا مذہبی معاہدہ نہیں بلکہ محض ایک رسم ہے اور وہ بھی ایسی رسم جو مذہب اور اخلاق کے منافی ہے اس وجہ سے مٹا دینے کے قابل ہے میرا یہ خیال ہے کہ نکاح ایک دیوار ہے جو مذہب کی حفاظت کا کام دیتی ہے۔ اگر یہ دیوار گرا دی جائے تو مذہب برباد ہو جائے۔ مذہب کی بنیاد ضبط نفس ہے اور نکاح بجز ضبط نفس کے اور کچھ نہیں۔ جو شخص ضبط نفس سے آشنا نہیں وہ اپنی شخصیت کی تکمیل نہیں کر سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ کسی دہریے یا مادہ پرست کے مقابلے میں ضبط نفس کی ضرورت ثابت کرنا مشکل ہے لیکن جو شخص جسم کی فانی فطرت اور روح کی لافانی فطرت میں تمیز کر سکتا ہے اس کا دل خود کہہ دیتا ہے کہ تکمیل ذات بغیر ریاضت اور ضبط نفس کے ناممکن ہے۔ ہمارا جسم یا تو خواہشات اور جذبات کی جولانگاہ ہے یا تکمیل ذات کا حرم پاک ہے اگر دوسری صورت ہے تو وہاں عیاشی کی مطلق گنجائش نہیں، روح کو چاہئیے کہ جسم کو ہر دم قابو میں رکھے۔

جہاں کہیں نکاح کی گرہ ڈھیلی ہے اور ضبط نفس کے قانون کی پیروی نہیں ہوتی وہاں عورت فساد کی جڑ بن جاتی ہے۔ اگر انسان وحشی جانوروں کی طرح

بے قید ہوتے تو سیدھے ہلاکت کے گڑھے میں گر جاتے۔ میری وثوق کے ساتھ یہ رائے ہے کہ وہ تمام برائیاں جن کی خط لکھنے والے نے شکایت کی ہے نکاح کی رسم مٹانے سے دور نہیں ہو سکتیں بلکہ اس کے قانون کو صحیح طور پر سمجھنے اور اس کی پیروی کرنے سے۔

میں مانتا ہوں کہ بعض قوموں کے یہاں قریب کے رشتہ داروں میں باہم نکاح جائز ہے اور بعض کے یہاں نہیں چند زنی[1] سے منع کیا ہے بعض نے اس کی اجازت دی ہے اس میں شک نہیں کہ اگر تمام قوموں میں ایک ہی سا اخلاقی قانون ہوتا تو بہت اچھا تھا لیکن اس اختلاف سے یہ ضرورت ثابت نہیں ہوئی کہ سرے سے کوئی قید ہی نہ رکھی جائے جوں جوں ہمارا تجربہ بڑھتا جائے گا ہمارے اخلاق میں یکسانی پیدا ہوتی جائے گی۔ آج بھی دنیا کے اخلاقی حسن نے ایک زنی[2] کو سب سے برتر نصب العین قرار دیا ہے اور کسی مذہب نے چند زنی کو فرض نہیں رکھا اگر کسی نصب العین پر عمل کرنے میں وقت اور مقام کے لحاظ سے ڈھیل بھی ڈال دی جائے تو اصل نصب العین اپنی جگہ پر بدستور قائم رہتا ہے۔

بیوا ؤں کی شادی کے متعلق میرے جو خیالات ہیں انھیں یہاں تفصیل سے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ میرے نزدیک جو لڑکیاں خلوت سے پہلے ہی بیوہ ہو جائیں ان کی دوبارہ شادی کرانا نہ صرف مناسب ہی بلکہ ان لڑکیوں کے والدین پر فرض عین ہے۔

---

[1] ایک مرد کا ایک وقت میں کئی عورتوں سے شادی کرنا، تعداد ازدواج

[2] ایک مرد کا ایک وقت میں صرف ایک عورت سے شادی کرنا۔

گیارھواں باب

قوتِ حیات کی حفاظت

ینگ انڈیا کے پڑھنے والے مجھے معاف کریں کہ جن مسائل پر میں تنہائی میں بحث کرنا پسند کرتا ہوں ان پر سب کے سامنے بحث کر رہا ہوں۔ لیکن اس عرصے میں مجھے اتنی کتابیں اور مضامین مجبوراً پڑھنا پڑے اور موسیو بورو کی کتاب پر میرا ریویو شائع ہونے کے بعد میرے پاس اس کثرت سے خطوط آئے کہ اب ان مسائل پر جن سے سماج کو انتہائی دلچسپی ہے کھلی بحث کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک صاحب ملابار سے لکھتے ہیں: "موسیو بورو کی کتاب کے ریویو میں آپ نے کہا ہے کہ اس کی کوئی مثال موجود نہیں کہ تجرد سے یا عرصے تک ترک مباشرت کرنے سے ہمیں کسی قسم کا نقصان پہنچا ہے۔ مگر میرا تو یہ خیال ہے کہ مباشرت کے ترک کرنے سے فائدہ صرف تین ہفتے تک ہوتا ہے اس کے بعد جسم عموماً بوجھل سا معلوم ہوتا ہے اور جسمانی اور دماغی بےچینی محسوس ہونے لگتی ہے جس سے مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے یہ تکلیف یا تو جماع سے دور ہوتی ہے یا اس طرح کہ فطرت خود مدد کرتی ہے اور آپ ہی آپ انزال ہو جاتا ہے۔ صبح اٹھ کر کمزوری یا اعصابی بےچینی کا تو کیا ذکر ہے طبیعت ہلکی اور پرسکون ہو جاتی ہے اور میں اپنا کام اور زیادہ ذوق و شوق سے کرنے لگتا ہوں۔

"مگر میرے ایک دوست کو ترک مباشرت سے صریحی نقصان پہنچا ان کی ۳۲ برس

---

۲ ستمبر ۱۹۲۶ء کے ینگ انڈیا سے نقل کیا گیا۔

کی عمر ہے۔ نباتاتی مشرب رکھتے ہیں اور بڑے دیندار ہیں وہ جسم یا دماغ کی بری عادتوں سے بالکل پاک ہیں شادی سے پہلے تک جسے اب ۸ برس ہوئے انھیں احتلام بہت کثرت سے ہوتا تھا اور اس کے بعد جسمانی کمزوری محسوس ہوتی تھی اور طبیعت بہت پست ہو جاتی تھی۔ آخر میں معدے کے قریب نہایت شدید درد کی شکایت پیدا ہو گئی آخر ایک وید کے مشورے سے انھوں نے شادی کر لی اور اب اچھے ہیں۔

"عقلی حیثیت سے میں تجرد کی فضیلت کا قائل ہوں جس کے بارے میں ہمارے کل شاستر متفق ہیں لیکن جن تجربوں کا میں نے ذکر کیا ہے ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انثیین کے افراز* سے جو قوی مادہ حیات پیدا ہوتا ہے اسے ہم اپنے جسم میں جذب نہیں کر سکتے اور اس میں زہر پیدا ہو جاتا ہے اس لئے میری عاجزانہ درخواست ہے کہ آپ مجھ جیسے شخصوں کے فائدے کے لیے جنھیں پاکدامنی اور ترک مباشرت کی اہمیت میں کوئی شبہ نہیں، آسن یا ہتھ یوگ کی کوئی ترکیب جس سے مادہ حیات ہمارے جسم میں جذب اور ہضم ہو سکے ینگ انڈیا میں شائع کر دیجیے۔"

ان صاحب نے جو مثالیں بیان کی ہیں وہ عام حالت کا نمونہ ہیں بعض صورتوں میں میں نے دیکھا ہے کہ لوگ اکا دکا واقعات کی بنا پر عام نتائج نکالنے میں بہت جلدی کیا کرتے ہیں مادہ حیات کو روکنے اور جذب کرنے کی صلاحیت کے لیے مدت کی مشق درکار ہے اور ہونا بھی یہی چاہیے کیونکہ اس سے جسم اور دماغ کو جو قوت حاصل ہوتی ہے کسی اور چیز سے نہیں ہوتی۔ دواؤں سے اور اوپری تدبیروں سے یہ ممکن ہے کہ جسم کچھ ٹھیک رہے لیکن یہ چیزیں دماغ کا ست نکال لیتی ہیں اور اسے اتنا کمزور کر دیتی ہیں کہ وہ ان تمام خواہشات و جذبات کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو موذی دشمنوں کی طرح ہر انسان کو گھیرے

---

* Secretion of the testicles. وہ عمل جس میں خون صالح، مادہ اور فضلہ الگ الگ ہوتا ہے۔

رہتے ہیں۔ اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہم کسی نتیجے کی توقع رکھتے ہیں مگر کام ایسے کرتے ہیں جس سے اگر مقصد فوت نہیں ہوتا تو اس میں رکاوٹ ضرور پیدا ہو جاتی ہے ہماری زندگی کا طریقہ ایسا رکھا گیا ہے جس سے ہماری خواہشات اور جذبات کو شہ ملتی ہے ہماری غذا، ہماری کتابیں، ہمارے کھیل تماشے، ہمارے کام کے اوقات، سب کا ڈھنگ کچھ اس طرح کا ہے جس سے ہمارے بہیمی جذبات ابھرتے اور بھڑکتے ہیں قریب قریب ہم سب یہ چاہتے ہیں کہ شادی کریں، بال بچے ہوں، زندگی کا لطف اٹھائیں خواہ کتنے ہی اعتدال سے کیوں نہ ہو، گر جیسی ہی صورت ہمیشہ ہمیشہ رہے گی۔

لیکن ہر کلیے میں کچھ استثنا بھی ہوا کرتے ہیں چنانچہ اس میں بھی ہیں۔ ہر زمانے میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی سراسر خلق خدا یعنی خدا کی خدمت کے لئے وقف کر دی ہے وہ نوع انسانی کو ایک عام خاندان سمجھ کر اس کی خدمت میں جو وقت صرف کرتے ہیں اس میں سے کسی خاص خاندان کی پرورش کے لیے حصہ بٹانا نہیں چاہتے ظاہر ہے ایسے زن و مرد عام لوگوں کی طرح زندگی بسر نہیں کر سکتے جس کا مقصد محض انفرادی اغراض کو پورا کرنا ہوتا ہے۔

جو خدا کے بندے اس کی راہ میں تجرد کو اختیار کرتے ہیں انھیں لازم ہے کہ عیش و آرام سے ہاتھ دھوئیں اور ریاضت کی سختیوں سے لطف اٹھانے کی عادت ڈالیں وہ دنیا میں رہیں لیکن دنیا کے نہ ہو رہیں، ان کی غذا، ان کا کام، ان کی مصروفیت کے اوقات، ان کی تفریح کے مشاغل ان کے پڑھنے کی کتابیں ان کا تصور زندگی سب کچھ اوروں سے جدا ہونا چاہیئے۔

اب یہ پوچھنا ہے کہ کیا خط لکھنے والے صاحب اور ان کے دوست سچے دل سے کامل ترک خواہش کی حالت میں عمر بسر کرنا چاہتے تھے اور انھوں نے واقعی اپنی زندگی کو اس طرز پر ڈھالا تھا۔ اگر ایسا نہیں تھا تو پہلی صورت میں فائدہ ہوتا اور دوسری صورت

میں کمزوری ہوجانا آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے یقیناً دوسری صورت میں جو شکایت
پیدا ہوئی اس کا علاج نکاح تھا اور عموماً جب انسان یہ دیکھتا ہے کہ وہ خلاف ارادہ
روزمرہ عالم خیال میں شادی کی زندگی بسر کرتا ہے تو سب سے مناسب اور قرین فطرت
تدبیر شادی ہی ہوسکتی ہے جو خیال دبایا بھی نہ جائے اور حقیقت کا جامہ بھی نہ پہن سکے
اس میں اس خیال سے کہیں زیادہ قوت ہوتی ہے جو فعل میں منتقل ہوجائے اگر فعل میں
مناسب ضبط سے کام لیا جائے تو اس کا اثر خود خیال پر پڑتا ہے اور اس کی اصلاح کردیتا
ہے۔ فعل جو اس طرح سے عمل کی صورت اختیار کرتا ہے قیدی بن جاتا ہے اور قابو میں آجاتا
ہے اس لحاظ سے شادی بھی ضبط نفس کا ایک طریقہ ہے۔

مجھے ایک اخبار کے مضمون میں یہ حوصلہ نہیں کرنا چاہیئے کہ جو لوگ باقاعدہ ضبط نفس
کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں ان کی رہنمائی کے لئے مفصل ہدایتیں لکھوں یہ حضرات
میرا رسالہ صحت کے متعلق پڑھیں جو میں نے اب سے برسوں پہلے اسی غرض سے لکھا تھا
اس میں شک نہیں کہ تازہ تجربات کی روشنی میں اس رسالے پر نظر ثانی کی ضرورت
ہے مگر اس میں کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں جسے میں نکالنا چاہوں پھر بھی یہاں عام ہدایتوں
کو دہرادینے میں کوئی حرج نہیں۔

(۱) کھانا اعتدال سے کھاؤ۔ کھانے کے کمرے سے نکلتے وقت یہ خوشگوار احساس
ہونا چاہیئے کہ تھوڑی سی بھوک باقی ہے۔

(۲) ان نباتاتی غذاؤں سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے جن میں مسالہ اور چکنائی کثرت
سے ہو جب کافی دودھ مل سکتا ہو تو علیحدہ چکنائی کی مطلق ضرورت نہیں۔

(۳) جسم اور دماغ دونوں کو ہر وقت پاک مشاغل میں مصروف رکھنا چاہیئے۔

(۴) سویرے سونا اور سویرے اٹھنا نہایت ضروری ہے۔

(۵) ضبط نفس کی زندگی کے لئے سب سے مقدم یہ ہے کہ انسان خدا سے لو لگائے ہو

جس نے اس تہ کی بات کو دل سے سمجھ لیا اس کے دل میں یہ آسرا روز بروز بڑھتا جائے گا کہ خدا اپنے آلۂ کار کو پاک صاف رکھے گا، گیتا میں لکھا ہے "برت رکھنے پر بھی خواہشیں بار بار دل میں آتی رہتی ہیں لیکن جب خدا کا جلوہ نظر آجاتا ہے تو خواہش بھی فنا ہو جاتی ہے۔ یہ حرف بہ حرف صحیح ہے۔

خط لکھنے والے نے آسناس اور پرنیم کا ذکر کیا ہے میرے خیال میں ان چیزوں کو ضبط نفس میں بہت کچھ دخل ہے لیکن افسوس ہے کہ میرے ذاتی تجربات اس معاملے میں قابل ذکر نہیں ہیں۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے اس موضوع پر بہت کم کتابیں ہیں جو جدید تجربے پر مبنی ہوں۔ مگر یہ میدان اس قابل ضرور ہے کہ اس میں تحقیق کی جائے۔ البتہ ناتجربہ کار پڑھنے والوں کو میں آگاہ کئے دیتا ہوں کہ وہ اس بھیر میں نہ پڑیں اور ہر راہ چلتے ہٹھ یوگی کی ہدایتوں پر عمل نہ کریں۔ انھیں یقین رکھنا چاہیئے کہ زہد اور خدا پرستی کی زندگی اس قابل قدر ضبط نفس کو حاصل کرنے کے لیے پوری طرح کافی ہے۔

بارھواں باب

طرزِ خیال کا اثر

مجھے ان مضامین سے جو آپ نے ینگ انڈیا میں انضباطِ ولادت پر لکھے بہت دلچسپی رہی ہے غالباً آپ نے ج۔ ا۔ ہیڈ فیلڈ کی کتاب "نفسیات اور اخلاق" پڑھی ہے میں آپ کو اس کی اس عبارت کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں:۔

"جب جنسی جبلت کا اظہار ہمارے اخلاقی حس کے منافی ہو تو وہاں ہم جنسی لذت کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور جب اس کا اظہار جذبہ محبت کے مطابق ہو تو جنسی مسرت کہتے ہیں جنسی جبلت کے اس طرح ظاہر ہونے سے میاں بیوی کی محبت کم ہونا تو درکنار اور زیادہ گہری ہو جاتی ہے۔ برخلاف اس کے ایک طرف بے قید مباشرت سے اور دوسری طرف ترک خواہش سے جو اس دھوکے میں کیا جاتا ہے کہ اس جبلت سے صرف ایک ادنیٰ درجے کی لذت حاصل ہوتی ہے اکثر چڑچڑاپن پیدا ہوتا ہے اور محبت گھٹ جاتی ہے۔"

یعنی مصنف کے نزدیک جماع کا فعل علاوہ اولاد پیدا کرنے کے یوں بھی ایک مقدس رسم کا درجہ رکھتا ہے کہ اس سے مرد اور عورت کے درمیان محبت بڑھ جاتی ہے۔ اگر ان کا یہ قول صحیح ہے اور میں تو صحیح سمجھتا ہوں کیونکہ وہ ایک جید ماہر نفسیات ہیں اور پھر میں نے خود ایسی مثالیں دیکھی ہیں کہ محبت کے جسمانی اظہار کی فطری خواہش دبا دینے سے میاں بیوی کی زندگی خراب ہو گئی، تو خدا جانے آپ اپنے اس نظریے کو کس طرح

---

[1] منقول از ینگ انڈیا ۱۶ ستمبر ۲۶ء

ثابت کریں گے کہ مباشرت صرف اسی وقت جائز ہے جب اولاد پیدا کرنے کے لیے کی جائے
ذرا اس صورت پر غور فرمایئے کہ ایک نوجوان مرد اور نوجوان عورت کو ایک دوسرے کر
محبت ہے یہ بڑی خوشنما چیز ہے اور خدائے تعالیٰ کی حکمت کاملہ کا ایک جزو ہے مگر ان
میں اتنی مقدرت نہیں کہ بچے کی پرورش کر سکیں یا اسے تعلیم دلا سکیں۔ اس سے میرے خیال
میں آپ کو بھی اتفاق ہوگا کہ اگر انسان یہ نہ کر سکے تو بچہ پیدا کرنا گناہ ہے۔ یا یوں سمجھئے
کہ بچہ ہونے سے عورت کی صحت کو نقصان ہوگا یا اس کے پہلے ہی بہت سے بچے ہو چکے
ہیں تو اب آپ کے اصول کے مطابق اس جوڑے کو دو باتوں میں سے ایک بات کرنا
چاہیئے یا تو وہ شادی کرنے کے باوجود الگ الگ رہیں اس میں اگر ہیڈفیلڈ کی رائے صحیح
ہے ان کی محبت کے مٹ جانے کا اندیشہ ہے یا پھر شادی ہی نہ کریں اس صورت میں
بھی ان کی محبت بگڑ جائے گی کیونکہ فطرت کی شان بے نیازی ہماری انسانی رسوم
کو خاطر میں نہیں لاتی۔ بے شک یہ ممکن ہے کہ وہ ایک دوسرے سے دور ہو جائیں مگر جدائی
میں بھی ان کا تخیل کام کرتا رہے گا اور جنسی عقدے پیدا کرے گا۔ اگر فرض کیجئے آپ
معاشرے کو اس طرح بدل دیں کہ لوگوں کے جتنے بچے پیدا ہوں ان کی پرورش ہو سکے
تب بھی نسل کے لئے حد سے زیادہ افزائش کا، چاہے اور عورتوں کے لیے حد سے زیادہ
اولاد پیدا ہونے کا خطرہ کچھ کم نہیں اس لئے کہ سخت ضبط نفس کے باوجود بھی انسان
سال میں ایک بچہ پیدا کر سکتا ہے۔ آپ کو یا تو کامل ترک مباشرت کی حمایت کرنا
چاہیئے یا انضباط ولادت کی کیونکہ کبھی کبھی مباشرت سے تو یہ اندیشہ ہے جیسا انگلستان
کے پادریوں میں بعض اوقات ہو چکا ہے کہ عورت ہر سال بچہ ہونے سے جو بہ
قول اس کے شوہر کے خدا اسے بھیجتا ہے، جان سے گذر جاتی ہے۔

Complexes. ؎۱

آپ جس چیز کو ضبط نفس کہتے ہیں وہ بھی منع حمل کی تدبیروں کی طرح بلکہ ان سے بڑھ کر فطرت کے کام میں مداخلت ہے۔ ممکن ہے کہ لوگ انضباط ولادت کے ذریعے سے ہوس رانی کرنے لگیں مگر یہ تو وہ یوں بھی نہایت اطمینان قلب کے ساتھ کرتے ہیں۔ کم سے کم یہ تو ہوگا کہ اگر وہ اپنے گناہ کے ذریعے سے اولاد نہ پیدا کریں تو اس کی پاداش دوسرے نہیں بلکہ وہ خود ہی بھگتیں گے۔ یاد رکھیے کہ آج کل کان کے مالکوں اور مزدوروں میں جو لڑائی ہو رہی ہے اس میں مالک جیتیں گے کیونکہ مزدور بہت کثرت سے ہیں۔ حد سے زیادہ اولاد پیدا کرنے والے صرف اپنی اولاد ہی کو مصیبت میں مبتلا نہیں کرتے بلکہ تمام نوع انسانی کو۔"

یہ ایک صاحب اپنے خط میں لکھتے ہیں۔ یہ خط طرز خیال کے اختلاف اور اس کے اثرات کا ایک نمونہ ہے خیال رسی کا سانپ بنا دیتا ہے اور خیال کرنے والا سہم کر بھاگ جاتا ہے یا لکڑی لیکر فرضی سانپ کو پیٹنے لگتا ہے۔ ایک شخص بہن کو بیوی سمجھ لیتا ہے اور اس کے دل میں بہیمی جذبہ بھڑکنے لگتا ہے۔ مگر جیسے ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے اس کا جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ یہی صورت اس مثال میں ہے جو خط لکھنے والے نے پیش کی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ "ترک خواہش سے جو اس دھوکے میں کیا جاتا ہے کہ اس جبلت سے صرف ایک ادنیٰ درجہ کی لذت حاصل ہوتی ہے اکثر چڑچڑاپن پیدا ہوتا ہے اور محبت گھٹ جاتی ہے" لیکن اگر ترک خواہش محبت کے رابطے کو تقویت پہنچانے اسے آلودگی سے پاک کرنے، اور قوت حیات کو ایک بہتر مقصد کے لئے بچا رکھنے کی غرض سے کیا جائے تو چڑچڑے پن کی جگہ اس سے سکون قلب پیدا ہوگا اور محبت کی گرہ ڈھیلی ہونے کے بجائے اور کس جائے گی وہ محبت جو بہیمی جذبے پر مبنی ہو بہترین صورت میں بھی خود غرضی ہے اور ذرا کھینچنے سے یہ رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ آخر معاشرت کا فعل جب جانوروں میں کوئی مقدس رسم نہیں ہے

تو انسانوں میں کیوں ہو؟ ہم اسے وہی کیوں نہ سمجھیں جو وہ دراصل ہے۔ یعنی بچہ پیدا کرنے کا سیدھا سادا فعل جس کی طرف ہم بقائے نسل کی غرض سے اختیار کھنچتے ہیں فرق یہ ہے کہ انسان کو خدا نے ایک حد تک اختیار عطا کیا ہے اور وہ ایثار نفس کے حق سے جو اس کے لئے مخصوص ہے کام لیتا ہے اپنے برتر مقصد آفرینش کی خاطر۔ ہم محض عادت کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ مباشرت محض اولاد پیدا کرنے کے لئے نہیں بلکہ محبت کو بڑھانے کے لئے مناسب اور ضروری ہے حالانکہ بیشمار تجربے ہو چکے ہیں کہ اس فعل سے محبت میں اضافہ نہیں ہوتا اور یہ اس کی بقا اور ترقی کے لئے ہرگز ضروری نہیں ہے بلکہ اس کی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ مباشرت کے ترک کرنے سے محبت کا رابطہ اور مستحکم ہو گیا مگر یہ شرط ہے کہ ترک مباشرت جانبین کی اخلاقی اصلاح کے خاص ارادے سے ہو۔

انسانی معاشرت ایک دائمی ارتقا، ایک روحانی نشوونما کا نام ہے ایسی صورت میں اس کی بنیاد جسمانی خواہشوں کے روز افزوں ضبط پر ہونا چاہیئے شادی کو ایک مقدس رسم سمجھنا چاہیئے جس کی وجہ سے بیوی میاں دونوں ایک ضابطے میں جکڑ جاتے ہیں اور ان پر یہ پابندی عائد ہو جاتی ہے کہ وہ صرف ایک دوسرے سے مباشرت کریں گے وہ بھی محض اولاد پیدا کرنے کے لئے اور اس وقت جب دونوں کو اس کی خواہش ہو۔ اور اس کے لئے تیار ہوں۔ تب ان دونوں صورتوں میں جو خط لکھنے والے نے فرض کی ہیں سوائے اس صورت کے کہ اولاد کی خواہش ہو مباشرت کا کوئی سوال ہی نہیں ہوگا۔

اگر ہم خط لکھنے والے کی طرح ابتدا اس مقدمے سے کریں کہ مباشرت صرف اولاد پیدا کرنے کے لئے نہیں بلکہ یوں بھی ضروری ہے تو ظاہر ہے کہ بحث ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اصل میں یہ مقدمہ غلط ہے اس لئے کہ اس بات کی قابل وثوق مثالیں پیش کی جا سکتی

ہیں کہ ہر ملک میں نوع انسانی کے بہترین افراد نے کامل ترک مباشرت برتا ہے، یا اس کے ممکن یا مناسب ہونے کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے کہ اکثر انسانوں کو اس میں دشواری پیش آتی ہے نہ جانیں کتنی باتیں جو سو سال پہلے اکثر انسانوں کے لئے ناممکن تھیں اور آج ممکن ہیں اور سو سال زمانے کے اس دور مسلسل میں جو ہمارے پاس غیر محدود ارتقا کے لئے موجود ہے کیا چیز ہیں؟ اگر سائنس والوں کا قول صحیح ہے تو یہ ابھی کل کی بات ہے کہ ہمیں یہ جسم انسانی ملا، کون جانتا ہے کہ اس کی ترقی کی حد کہاں تک ہے، کس کی مجال ہے کہ اس کا تعین کر سکے؟ روزمرہ ہم پر یہ بات ثابت ہوتی جاتی ہے کہ اس کے اندر خیر و شر دونوں کے لاانتہا امکانات ہیں۔

اگر ترک مباشرت کا مناسب اور ممکن ہونا تسلیم کر لیا جائے تو پھر ہمیں اس کے حاصل کرنے کے ذریعے تلاش اور تجویز کرنا چاہیئے اور جیسا میں نے اس سے پہلے کے مضمون میں کہا ہے اگر ہمیں ضبط و انضباط میں بسر کرنا ہے تو ہماری زندگی کی تشکیل نئے سرے سے ہونا لازم ہے یہ نہیں کہ ع رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔ اگر ہم اعضائے تناسل پر پابندی عائد کرنا چاہتے ہیں تو دوسرے اعضا پر بھی عائد کرنا چاہیئے، اگر آنکھ، کان، ناک، زبان، ہاتھ پیر بے لگام چھوڑ دیئے جائیں تو وہ عضو جو ان سب سے زیادہ اہم ہے کیونکر قابو میں رکھا جا سکتا ہے۔ اکثر صورتوں میں چڑچڑا پن، ہسٹیریا، بلکہ جنون کا سبب غلطی سے ضبط شہوت قرار دیا جاتا ہے حالانکہ غور کیا جائے تو اس کا سبب دوسرے حواس کی بے ضبطی ہے، کوئی گناہ، کوئی قانون فطرت کی خلاف ورزی ایسی نہیں جس کی سزا نہ ملتی ہو میں لفظی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ اگر ضبط نفس بھی بالکل اسی طرح فطرت میں مداخلت ہے جیسے منع حمل کی تدابیر، تو یونہی سہی تب بھی میں یہ کہوں گا کہ یہ مداخلت جائز ہے اس لیے کہ اس میں فرد اور جماعت دونوں کی فلاح ہے اور دوسری مداخلت ناجائز ہے اس لیے کہ اس میں دونوں کی ذلت ہے، ضبط نفس شرح ولادت کو قابو میں رکھنے کا واحد اور یقینی ذریعہ ہے

منع حمل کے ذریعہ انضباط ولادت قومی خودکشی ہے۔

آخر میں مجھے یہ کہنا ہے کہ اگر کانوں کے مالک حق پر نہ ہونے کے باوجود جیت جائیں تو اس کا سبب یہ نہیں ہوگا کہ مزدوروں کے حد سے زیادہ اولاد ہوتی ہے بلکہ یہ کہ مزدور کسی چیز میں بھی ضبط نفس سے کام نہیں لیتے اگر مزدوروں کے اولاد نہ ہوتی تو ان کے لیے ترقی کا کوئی محرک نہ رہتا اور وہ مزدوری بڑھانے کے لئے کوئی ایسی دلیل نہ پیش کر سکتے جس کا ثبوت آسان ہو۔ کیا ان کے لئے شراب نوشی، جوا کھیلنا، تمباکو پینا ضروری ہے؟ یہ کوئی جواب نہیں کہ کانوں کے مالک بھی یہی سب حرکتیں کرتے ہیں اور پھر بھی غالب رہتے ہیں اگر مزدور سرمایہ داروں سے بہتر ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے تو انھیں دنیا کی ہمدردی چاہنے کا کیا حق ہے؟ یہی کہ سرمایہ داروں کی تعداد میں اور اضافہ ہو اور سرمایہ داری کو اور قوت حاصل ہو جائے۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ جمہور کی حمایت کرو اس لئے کہ جب اس کا دور دورہ ہوگا تو دنیا کی حالت بہتر ہو جائے گی۔ یہ نہ ہو کہ ہم انھیں برائیوں کو جو سرمایہ دار اور سرمایہ داری کی طرف منسوب کی جاتی ہیں بہت بڑے پیمانہ پر پیدا کردیں۔

مجھے اس بات کا نہایت افسوس کے ساتھ احساس ہے کہ ضبط نفس کا حاصل کرنا آسان نہیں ہے لیکن اس کے دیر طلب ہونے کی وجہ سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جلدی میں کام بگڑتا ہے بے صبری سے مزدوروں کی حد سے بڑھی ہوئی شرح ولادت کم نہیں ہو جائیگی۔ جو لوگ مزدوروں کی خدمت کرنا چاہتے ہیں انھیں بہت بڑا کام کرنا ہے۔ ان کو ضبط نفس کا سبق جو نوع انسانی کے بڑے بڑے معلم ہمیں اپنے تجربوں کے زبردست خزانے سے دے گئے ہیں ایک سرے سے دہنیں کر دینا چاہیے۔ وہ بنیادی حقائق جو ہمیں ان لوگوں سے پہنچے ہیں ایسے معمل میں جانچے جا چکے ہیں جس کا مقابلہ آج کل کے مکمل سے مکمل معمل نہیں کر سکتے۔ ضبط نفس کی ضرورت ان سب کی مشترک تعلیم ہے۔

تیرھواں باب

ایک اخلاقی کشمکش[1]

"میں ایک تیس برس کی عمر کا بیاہا آدمی ہوں میری بیوی کی بھی قریب قریب اتنی ہی عمر ہے ہمارے پانچ بچے ہوئے جن میں سے دو خوش قسمتی سے مر گئے۔ مجھے باقی بچوں کی ذمہ داری کا پورا احساس ہے لیکن میرے لیے اس ذمہ داری کو پورا کرنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے آپ ضبط نفس کا مشورہ دیتے ہیں میں تین برس سے اس پر عمل کر رہا ہوں مگر یہ میری بیوی کی مرضی کے خلاف ہے۔ وہ اس چیز پر مصر ہے جسے ہم غریب انسان لطف زندگی کہتے ہیں آپ جس بلندی پر پہنچ گئے ہیں وہاں بیٹھ کر اسے گناہ کہہ سکتے ہیں لیکن میری بیوی اسے اس نظر سے نہیں دیکھتی۔ وہ اور بچوں کے ہونے سے بھی نہیں ڈرتی اسے ذمہ داری کا وہ احساس نہیں جو مجھے اپنے نزدیک ہے۔ میرے والدین زیادہ تر اسی کی حمایت کرتے ہیں اور روز جھگڑا ہوتا ہے۔ میری بیوی اپنی خواہش کے رد کئے جانے سے اس قدر بد مزاج اور چڑچڑی ہو گئی ہے کہ ذرا سی بات میں بھڑک اٹھتی ہے۔ مجھے یہ مسئلہ درپیش ہے کہ یہ مشکل کیونکر حل کی جائے میرے جتنے بچے اب ہیں میرے لیے وہی بہت زیادہ ہیں۔ مجھ میں ان کی پرورش کا مقدور نہیں۔ بیوی کسی طرح راضی ہوتی معلوم نہیں ہوتی اگر اس کی خواہش پوری نہ ہوئی تو عجب نہیں وہ بدراہ ہو جائے۔ یا دیوانی ہو جائے، یا خودکشی کر لے۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کبھی کبھی میرا جی چاہتا ہے کہ اگر قانون اجازت دیتا تو میں ان سب بچوں کو

---

[1] منقول از ینگ انڈیا ۲۶ اپریل ۱۹۳۶ء۔

جو والدین کی مرضی کے خلاف ہوتے ہیں گولی مار دیتا جیسے آپ آوارہ کتوں کو گولی مار دیتے ہیں پچھلے تین مہینے سے میں نے شام کا کھانا اور دوپہر کا کھانا چھوڑ رکھا ہے میرا کاروبار ایسا ہی جس کی وجہ سے میں زیادہ دن تک فاقہ نہیں کر سکتا۔ میری بیوی کو مجھ سے کوئی ہمدردی نہیں کیونکہ وہ مجھے ریاکار سمجھتی ہے میں نے انضباط ولادت پر کتابیں اور مضامین پڑھے ہیں ان کو دیکھ کر جی للچا تا ہے میں نے آپ کی کتاب بھی جو ضبط نفس کے متعلق زیر بحث ہے اب میں عجب کشمکش میں ہوں ع نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔

یہ صحیح مفہوم ہے ایک دل دکھانے والے خط کا جو میرے پاس آیا ہے اس کے لکھنے والے ایک جوان شخص ہیں جنھوں نے اپنا پورا نام اور پتہ لکھا ہے جنھیں میں کئی سال سے جانتا ہوں وہ کہتے ہیں کہ وہ اپنا نام ظاہر کرنے سے ڈرتے تھے اس لیے انھوں نے مجھے پہلے دو گمنام خطوط اس امید پر بھیجے تھے کہ میں ان کا جواب ینگ انڈیا میں دوں گا مگر میرے پاس اس قسم کے گمنام خطوط اس کثرت سے آیا کرتے ہیں کہ مجھے ان سے بحث کرنے میں تامل ہوتا ہے جیسا کہ اس خط کے بارے میں بھی ہے حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ یہ بالکل اصلی خط ہے اور ایک طالب کے دل سے نکلی ہوئی آواز ہے بات یہ ہے کہ مسئلہ بہت نازک ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ مجھے اپنے صریحی فرض سے جھجکنا نہیں چاہیئے اس لئے کہ مجھے ان معاملات میں بہت کچھ تجربے کا دعویٰ ہے اور میرے بتلائے ہوئے طریقے سے اس قسم کی کئی صورتوں میں فائدہ ہو چکا ہے۔

ہندوستان میں، جہاں تک انگریزی پڑھے ہوئے ہندوستانیوں کا تعلق ہے اس معاملے میں اور بھی زیادہ دشواری ہے۔ میاں بیوی میں تمدنی قابلیت کے لحاظ سے اس قدر دوری ہوتی ہے کہ انھیں ایک دوسرے سے قریب لانا ناممکن سا معلوم ہوتا ہے بعض نوجوان یہ سمجھتے ہیں کہ بیوی کو چھوڑ کر الگ ہو جانے سے یہ مشکل حل ہو جاتی ہے گو انھیں یہ معلوم ہو کہ ان کی ذات میں طلاق نہیں ہوتی اس لیے ان کی بیویوں کی دوبارہ شادی ناممکن

ہے بعض (جن کی تعداد بہت زیادہ ہے) اپنی بیویوں کو محض اپنی لذت کا آلہ سمجھتے ہیں اور انھیں اپنی ذہنی زندگی میں شریک نہیں کرتے ایک بہت چھوٹی سی تعداد جو اب روز بروز بڑھتی جاتی ہے ایسے لوگوں کی ہے جن کا ضمیر زود حس ہے اور انھیں اس قسم کی اخلاقی مشکلیں پیش آتی ہیں جیسی ان صاحب کو جنھوں نے مجھے خط لکھا ہے درپیش ہیں۔

میرے نزدیک مباشرت اسی وقت جائز ہے جب طرفین کو اس کی خواہش ہو میں اس کا قائل نہیں کہ دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کو اپنی اس خواہش کے پورا کرنے پر مجبور کر سکتا ہے اگر میری رائے صحیح ہو تو اس معاملے میں شوہر پر کوئی اخلاقی ذمہ داری نہیں کہ وہ بیوی کے اصرار سے اس کی بات مان لے لیکن اس انکار کی وجہ سے شوہر پر ایک اور ذمہ داری جو اس سے کہیں بلند تر ہے عائد ہو جاتی ہے کہ وہ نخوت کے نشے میں اپنی بیوی کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے بلکہ عاجزی کے ساتھ یہ تسلیم کرے کہ جو چیز اس کے لیے ضروری نہیں ہے وہ اس کی بیوی کے لیے اشد ضروری ہے اس لئے وہ اس کے ساتھ نہایت نرمی اور محبت سے پیش آئے اور اپنی پاکدامنی پر بھروسہ کرے کہ وہ اس کی رفیق زندگی کے جذبے کو اعلیٰ درجہ کی قوت عمل میں منتقل کر دے گی، اسے اپنی بیوی کا سچا دوست، رہنما اور معالج بننا، اس سے اپنے دل کا حال کہنا اور انتہائی صبر کے ساتھ اپنے فعل کی اخلاقی بنیاد میاں بیوی کے تعلق کی اصلیت اور شادی کا حقیقی مفہوم سمجھانا پڑے گا۔ اس سلسلے میں وہ دیکھے گا کہ بہت سی باتیں جو پہلے اس کے ذہن میں صاف نہیں تھیں اب صاف ہو جائیں گی۔ اور اس کا رابطہ اپنی بیوی سے اور زیادہ مستحکم ہو جائیگا بشرطیکہ اس کا ضبط نفس سچا ہو۔ اس معاملے میں جو زیر بحث ہے مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ محض اور بچے نہ ہونے کا خیال بیوی کی خواہش سے انکار کرنے کے لئے کافی نہیں یہ تو بزدلی سی معلوم ہوتی ہے کہ بچوں کی پرورش کے ڈر سے بیوی کی درخواست رد کر دی جائے بال بچوں کی حد سے بڑھتی ہوئی تعداد کو روکنا اس کی ایک معقول وجہ ضرور ہے۔

کہ میاں بیوی دونوں مل کر اور الگ الگ خواہش نفسانی کو ضبط کریں لیکن اس بات کے لیے کافی نہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے کی ہمبستری کے حق سے انکار کردے۔
اور آخر بچوں سے اس قدر گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟ یقیناً دیانتدار، محنتی اور سمجھدار آدمیوں کو اتنا کمانے کا موقع مل سکتا ہے کہ بچوں کی ایک اچھی خاصی تعداد کے لیے سہارا ہو۔ میں نے مانا کہ ایسے آدمی کے لیے جیسے یہ خط لکھنے والے صاحب ہیں جو دیانتداری کے ساتھ کوشش کررہے ہیں کہ اپنا سارا وقت دیس کے کام میں صرف کریں، یہ بات مشکل ہے کہ ایک بڑے خاندان کی جو روز بروز بڑھ رہا ہو، پرورش بھی کریں اور اس ملک کی خدمت بھی کریں جس کے لاکھوں کروروں بچے نیم فاقہ کشی کی حالت میں ہوں۔ میں نے ان صفحات میں بارہا اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ جب تک ہندوستان دوسروں کا غلام ہے اس وقت تک یہاں بچے پیدا کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن یہ معقول وجہ ہے تو اس بات کی ہے کہ نوجوان مرد اور عورتیں شادی سے پرہیز کریں اس کے لیے ہرگز کافی نہیں کہ میاں بیوی ایک دوسرے سے مباشرت کرنے سے انکار کردیں البتہ انکار اس وقت جائز بلکہ واجب ہے جب اس کی وجہ سب سے برتر خالص مذہبی ہو۔ یعنی خدا کی طرف سے برہمچاریہ کی طلب دل میں پیدا ہو۔ اگر یہ لگن سچ مچ لگی ہو تو اس کا صحت بخش اثر دوسری جانب بھی پڑے گا۔ اور فرض کیجئے یہ اثر جلد نہ ظاہر ہو تب بھی یہ لازم ہے کہ انسان ضبط نفس پر قائم رہے خواہ اس میں بیوی یا میاں کی جان یا دماغی صحت خطرے میں پڑ جائے۔ برہمچاریہ کے لئے اس سے کم قربانیوں کی ضرورت نہیں جتنی حق کی طلب میں یا دیس کی خدمت میں ہوتی ہے۔ جو کچھ میں اوپر کہہ چکا ہوں اسے مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ انضباط ولادت کا مصنوعی طریقہ اخلاقاً ناجائز ہے اور اس تصور زندگی میں اس کی گنجائش نہیں جس پر میری بحث مبنی ہے۔

چودھواں باب

برہمچاریہ کا عہد

اچھی طرح بحث کرنے کے بعد اور خوب سوچ سمجھ کر میں نے سنہ ۱۹۰۶ء میں برہمچاریہ کا عہد کرلیا۔ میں نے ابھی تک اپنے خیالات کا ذکر اپنی بیوی سے نہیں کیا تھا۔ مگر عہد کرتے وقت میں نے ان سے مشورہ کیا۔ انھوں نے بے تامل منظور کرلیا۔ مگر آخری فیصلہ کرنا میرے لئے سہل نہ تھا۔ میری ہمت جواب دے رہی تھی میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اپنے جذبات کو کیونکر روکوں۔ اس زمانے میں یہ عجیب بات معلوم ہوتی تھی کہ شوہر اپنی بیوی سے ہمبستری ترک کردے مگر میں خدا کا نام لے کر اور اس کی مدد پر بھروسہ کرکے عہد کر گذرا۔

جب میں اس عہد کے بعد کی زندگی پر جسے اب بیس سال ہوگئے غور کرتا ہوں تو میرا دل خوشی اور حیرت سے معمور ہوجاتا ہے۔ ضبط نفس کی کوشش میں سنہ ۱۹۰۱ء سے کر رہا تھا۔ اور اس میں کم وبیش کامیابی بھی ہوئی تھی لیکن خوشی اور آزادی کا جو احساس عہد کرنے کے بعد ہوا۔ وہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ عہد کرنے سے پہلے مجھے ہر وقت ترغیب سے مغلوب ہوجانے کا خوف رہتا تھا۔ اب یہ عہد ہر ترغیب کے مقابلے میں سپر کا کام دیتا تھا۔ برہمچاریہ کی عظیم الشان قوت کا مجھے روز بروز یقین ہوتا جاتا تھا۔ عہد کرنے کے وقت میں فینکس میں تھا۔ ایمبولینس کے کام سے فارغ ہوتے ہی وہاں آیا تھا۔ فینکس سے جو میں جوہانسبرگ واپس آگیا تو یہاں آئے ایک مہینے کے قریب ہوا تھا کہ ستیاگرہ شروع ہوگیا گویا برہمچاریہ کا عہد مجھے بغیر میرے علم کے اس کے لئے تیار کر رہا تھا۔ ستیاگرہ کوئی پہلے سے سوچی ہوئی تجویز نہ تھی یہ خود بخود بغیر میرے ارادے کے شروع ہوگئی۔ لیکن یہ میں جانتا تھا کہ یہ میری پچھلی تمام جدوجہد کا لازمی نتیجہ ہے۔ میں نے جوہانسبرگ میں اپنے مصارف

بہت گھٹا دئے تھے! در حقیقت آگر "برہمچاریہ" کا عہد کر لیا تھا۔

یہ بات شاستروں کے مطالعہ سے نہیں سیکھی تھی کہ مکمل "برہمچاریہ" سے "برہما" کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ مجھے تجربے سے آہستہ آہستہ یہ احساس ہو گیا تھا اس کے متعلق شاستروں کے اشلوک میری نظر سے آگے چل کر گذرے۔ عہد کے بعد سے مجھے روز بروز اس حقیقت کا علم ہوتا جاتا ہے کہ "برہمچاریہ" میں ہمارے جسم، ہمارے ذہن اور ہماری روح کی سلامتی ہے کیونکہ اب "برہمچاریہ" میرے لئے کوئی کٹھن ریاضت کا معاملہ نہ تھا۔ بلکہ تسکین اور راحت کا سرچشمہ ہر روز مجھے اس میں ایک نئی خوبی نظر آتی تھی۔

لیکن اگر یہ میرے لئے روز افزوں مسرت کا سرمایہ تھا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ کوئی سہل کام تھا۔ اب چھپن سال کی عمر میں بھی مجھے اس کی دشواریاں محسوس ہوتی ہیں مجھے روز بروز یقین ہوتا جاتا ہے کہ "برہمچاریہ" برتنا گویا تلوار کی دھار پر چلنا ہے اور اس میں انسان کو ہر لحظہ ہوشیار رہنا چاہیئے کہ کہیں قدم ڈگمگا نہ جائے۔

اس عہد کی پابندی کے لیے پہلی ناگزیر شرط یہ ہے کہ انسان ذائقے کے معاملے میں ضبط نفس سے کام لے۔ میں نے دیکھا کہ ذائقے کو پوری پوری طرح قابو میں رکھنے سے اس کی پابندی بہت آسان ہو جاتی ہے۔ اس لیے اب میں غذا کے متعلق جو تجربے کرتا تھا۔ ان میں صرف نباتاتی نسخہ کی رعایت نہ ہوتی تھی بلکہ برہمچاری نقطہ نظر کا بھی لحاظ تھا۔ ان تجربوں سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ "برہمچاری" کی غذا قلیل، سادہ، بے مسالے کی اور ممکن ہو تو بے پکی ہونا چاہیئے۔

چھ سال کے تجربے سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ برہمچاری کے لیے بہترین غذا تازہ پھل اور اخروٹ مونگ پھلی وغیرہ ہیں۔ اس غذا کے استعمال کے دوران میں میرا دل شہوانی خواہشوں سے جس قدر پاک رہا اتنا اس کے چھوڑنے کے بعد کبھی نہیں رہا۔ جنوبی افریقہ میں جہاں میں سوائے تر اور خشک میووں کے کچھ نہیں کھاتا تھا۔ مجھے "برہمچاریہ" کے لیے کوئی خاص سعی نہیں کرنا پڑتی تھی لیکن جب سے میں نے دودھ کا استعمال شروع کیا ہے اس عہد کی پابندی کے لیے بڑی سخت

کوشش کی ضرورت ہوتی ہے یہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ میں نے پھل چھوڑ کر دودھ کی طرف کیوں رجوع کیا۔ یہاں صرف اتنا کہدینا کافی ہے کہ میرے نزدیک دودھ کے استعمال سے یقیناً برہمچاریہ برتنے میں دشواری ہوتی ہے اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ ہر برہمچاری کے لیے دودھ ترک کردینا لازمی ہے یہ تو متعدد تجربوں کے بعد بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ مختلف غذاؤں کے استعمال کا برہمچاریہ پر کیا اثر پڑتا ہے مجھے اب تک دودھ کا کوئی ایسا بدل نہ مل سکا جو عضلات کی نشوونما میں بھی مدد دیتا ہو۔ اور آسانی سے ہضم بھی ہوجاتا ہو۔ میں نے ڈاکٹروں، ویدوں حکیموں سے پوچھ دیکھا۔ مگر کوئی مجھے ایسی چیز نہ بتا سکا۔ اس لیے گو میں جانتا ہوں کہ دودھ ایک حد تک محرک ہے مگر میں فی الحال کسی کو اس کے ترک کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتا۔

"برہمچاریہ کو مدد دینے کی خارجی تدبیروں میں سے روزہ بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنی غذا کی سادگی اور قلت جسی لذت کی خواہشیں اتنی قوی ہیں کہ انھیں قابو میں رکھنے کے لیے جب تک ہر طرف سے گھیرا نہ ڈالا جائے کام نہیں چلتا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ غذا نہ ملنے سے ان کا زور ٹوٹ جاتا ہے اس لیے میرے نزدیک حیات کو قابو میں لانے کی غرض سے روزہ رکھنا بہت مفید ہے۔ بعض لوگوں کو اس سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا کیونکہ یہ سمجھ کر کہ محض فاقے سے شہوانی خواہشوں سے نجات مل جائے گی وہ معدے کو تو خالی رکھتے ہیں مگر تصور میں طرح طرح کی لذتوں کے مزے لیا کرتے ہیں اور ہر وقت سوچا کرتے ہیں کہ جب روزہ کھولیں گے تو یہ کھائیں گے اور یہ پئیں گے اس طرح کے روزے سے نہ تو ذائقے کو قابو میں لانے میں مدد ملتی ہے اور نہ شہوانی خواہشں کو دبانے میں۔ روزہ تبھی مفید ہوتا ہے جب دل بھی بھوکے جسم کا ساتھ دے یعنی جن چیزوں کو جسم نے ترک کیا ہے ان سے دل بھی پھر جائے۔ دل ہی شہوانی خواہشوں کی جڑ ہے۔ اس لیے روزہ کا فائدہ محدود ہے کیونکہ ممکن ہے کہ روزہ رکھ کر بھی انسان بدستور خواہشوں میں گھرا رہے پھر بھی شہوانی خواہشوں کا استیصال بے روزے کے ناممکن ہے۔ اس لیے برہمچاریہ میں یہ ایک ناگزیر چیز ہے۔ برہمچاریہ کے بہت سے طالب اس وجہ سے ناکامیاب ہوتے ہیں

کہ دوسری خواہشوں کی آگ وہ اسی طرح ڈھیلی چھوڑ دیتے ہیں جیسے غیر برہمچاری اس لیے ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو انتہائی گرمی میں یہ کوشش کرتا ہے کہ کڑکتے کے جاڑے کا لطف اٹھائے برہمچاری اور غیر برہمچاری کی زندگی میں نمایاں حد فاصل ہونا چاہیے دونوں میں جو مشابہت ہے وہ محض دیکھنے کی ہے اور وہ جو فرق ہے وہ روز روشن کی طرح ظاہر ہے دونوں اپنی آنکھوں سے کام لیتے ہیں مگر برہمچاری ان سے خدا کے جلووں کا مشاہدہ کرتا ہے اور دوسرا شخص بے حقیقت کھلونوں کو دیکھتا ہے۔ دونوں اپنے کانوں کو کام میں لاتے ہیں مگر پہلا ذرّے ذرّے سے خدا کی حمد شکر و حمد کرتا ہے اور دوسرا واہیات باتوں پر سر دھنتا ہے دونوں اکثر رات کو دیر تک جاگتے ہیں مگر پہلا سارا وقت عبادت میں بسر کرتا ہے اور دوسرا بیہودہ رنگ رلیوں میں گنواتا ہے دونوں کھانا کھاتے ہیں مگر پہلا صرف اس لیے کھاتا ہے کہ اس کا جسم جو خدا کا گھر ہے صحت کے ساتھ قائم رہے اور دوسرا دنیا بھر کی چیزیں ٹھونس کر اس پاک گھر کو گندی نالی بنا دیتا ہے۔ غرض دونوں میں بعد المشرقین ہے اور جوں جوں دن گذرتے جائیں گے یہ فاصلہ کم نہیں ہوگا بلکہ اور بڑھتا جائے گا۔

"برہمچاریہ" کے معنی ہیں خیال، قول اور فعل میں ضبط نفس سے کام لینا۔ مجھے روز بروز اس قسم کے ضبط کی ضرورت کا احساس بڑھتا جاتا ہے۔ ترک لذات کی بھی "برہمچاریہ" کی طرح کوئی حد نہیں۔ مکمل "برہمچاریہ" انسان کی کوشش سے حاصل نہیں ہو سکتا بہت سے لوگوں کے لیے یہ محض ایک نصب العین رہے گا "برہمچاریہ" کے طالب کو ہمیشہ اپنی کوتاہیوں کا احساس رہتا ہے وہ اپنے دل کے گوشوں سے چھپی ہوئی خواہشیں کھود کھود کر نکالتا ہے اور ان سے نجات پانے کی کوشش کرتا ہے جب تک خیال پوری طرح ارادے کا تابع نہ ہو جائے مکمل "برہمچاریہ" حاصل نہیں ہو سکتا۔ غیر ارادی خیال ایک نفسی کیفیت ہے اور اسے دبانے کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے نفس کو دباتا ہے جو کرہ ہوا کو دبانے سے بھی زیادہ مشکل ہے تاہم چونکہ انسان کے دل میں خدا کا جلوہ موجود ہے اس لیے وہ نفس کو بھی قابو میں لا کر رہتا ہے۔ یہ چیز مشکل ضرور

ہے۔ مگر یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ ناممکن ہے۔ یہ سب سے اعلیٰ مقصد ہے اس لیے کوئی تعجب نہیں کہ اسے حاصل کرنے کے لیے سب سے زیادہ کوشش کرنا پڑتی ہے۔

مگر یہ بات مجھے ہندوستان آکر معلوم ہوئی کہ ایسا "برہمچاریہ" محض انسان کی کوشش سے حاصل نہیں ہو سکتا اس وقت تک میں اس دھوکے میں تھا کہ محض پھل کھانے کا التزام تمام نفسانی خواہشوں کے مٹا دینے کے لیے کافی ہے اور میں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ مجھے کسی اور تدبیر کی ضرورت نہیں۔

مگر مجھے اپنی روحانی کشمکش کی داستان وقت سے پہلے بیان نہیں کرنا چاہیئے۔ البتہ یہاں میں اتنا کہہ دینا چاہتا ہوں کہ جو لوگ خدا کی معرفت حاصل کرنے کے لیے برہمچاریہ برتنا چاہتے ہیں انھیں مایوس نہیں ہونا چاہیئے بشرطیکہ انھیں خدا پر عقیدہ اور اپنی سعی پر بھروسا ہو۔

"پرہیزگاروں کے نفس سے محسوس اشیاء کا خیال دور ہو جاتا ہے مگر ان کی لذت کا اثر رہجاتا ہے۔ جب خدائے برتر کی معرفت حاصل ہوتی ہے تو یہ اثر بھی زائل ہو جاتا ہے" (بھگوت گیتا ۲۔ ۵۹)

اس لیے "موکشا" کے طالبوں کے لیے آخری وسیلہ خدا کا نام اور اس کی توفیق ہے یہ حقیقت مجھ پر ہندوستان آنے کے بعد کھلی۔

پندرھواں باب

حیرت انگیز نتائج[1]

ناشر کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ولیم ۔ ر ۔ تھرسٹن ریاستہائے متحدہ امریکہ کی فوج
میجر تھے اور تقریباً دس برس تک یہ خدمت انجام دیتے رہے ۔ اس عرصے میں انھیں دنیا کے
مختلف حصوں میں، جن میں چین بھی شامل ہے طرح طرح کے تجربے ہوئے ۔ اپنے سفر کے دا
میں انھوں نے شادی کے رسوم وقوانین کا مطالعہ کیا جس کی بنا پر انھیں ایک کتاب نکا
کے متعلق لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ اس کا نام " تھرسٹن کا فلسفۂ نکاح " ہے اور یہ گذ
سال نیویارک کے ثقافی پریس کی طرف سے شائع ہوئی ہے صرف بتیس صفحے کا رسالہ ہے جو گ
بھر میں پڑھا جاسکتا ہے ۔ مصنف نے کوئی مفصل بحث نہیں کی ہے بلکہ صرف نتائج بیان کر
ہیں اور ان نتائج کو جنھیں ناشر نے بجا طور پر حیرت انگیز کہا ہے[2] تائید میں ایک آدھ دلیل
بھی لکھ دی ہے اپنے پیش لفظ میں مصنف نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان کے نتائج " ذاتی
مشاہدے، اطبا کے بیانات، اجتماعی حفظان صحت کے اور طلب کے اعداد وشمار " پر مبنی ہیں
جنگ کے زمانے میں جمع کیے گئے تھے ۔ ان کے نتائج حسب ذیل ہیں :-

(۱) فطرت کا ہرگز یہ منشا نہیں کہ عورت اپنا روٹی کپڑا حاصل کرنے کے لیے اور اولاد پیدا
کرنے کا فطری حق استعمال کرنے کے لیے مرد کے ساتھ عمر بھر کے لیے وابستہ ہوجائے اور ا

---

[1] منقول از ینگ انڈیا بابتہ ۲۷ ستمبر ۲۸ء
[2] Foreword وہ مختصر عبارت جو کتاب کے تعارف کے لیے لکھی جائے ۔

رات کو، یہاں تک کہ حمل کے زمانے میں بھی ایک ہی مکان میں اور ایک ہی بستر پر اس کے ساتھ سوئے۔

(۲) شادی کے موجودہ قوانین کی رو سے عورت اور مرد کا دن رات اکٹھا رہنا بے ضبط مباشرت کا باعث ہوتا ہے اور اس سے مرد اور عورت دونوں کی فطری جبلتیں مسخ ہو جاتی ہیں اور بیاہی عورتوں میں سے نوے فی صدی ایک طرح کی طوائفیں بن کر رہ جاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیاہی عورتوں کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ اس طرح اپنے جسم کو بیچنا فطری اور اخلاقی فعل ہے اس لیے کہ قانوناً جائز ہے اور شوہروں کی محبت قائم رکھنے کے لئے بھی ضروری ہے"۔

اس کے بعد مصنف "مسلسل بے ضبط مباشرت" کے نتائج بیان کرتا ہے جس کو میں مختصر کر کے لکھتا ہوں:—

(الف) "اس کی وجہ سے عورت کے اعصاب بے حد کمزور ہو جاتے ہیں، وہ قبل از وقت ضعیف، بیمار، چڑچڑی، بےچین اور زندگی سے بیزار ہو جاتی ہے اور اس قابل نہیں رہتی کہ اپنے بچوں کی اچھی طرح خبر گیری کر سکے"۔

(ب) "غریبوں میں اس کی وجہ سے ضرورت سے زیادہ اولاد ہوتی ہے"........

(ج) "اونچے طبقوں میں بے ضبط مباشرت کی وجہ سے منع حمل اور اسقاط حمل کا رواج ہو گیا ہے"۔ "اگر منع حمل کے طریقے انضباط ولادت کے نام سے عام عورتوں کی بہت بڑی تعداد کو سکھا دیے گئے تو نسل انسانی کی صحت اور اخلاق بگڑ جائے گا اور وہ فنا ہو کر رہے گی"۔

(د) "حد سے زیادہ مباشرت مرد کی قوت حیات کو جو معقول طریقے سے روزی کمانے کے لیے ضروری ہے نچوڑ لیتی ہے"۔ "آج کل ریاستہائے متحدہ میں رانڈوں کی تعداد رنڈووں سے بیس لاکھ زیادہ ہے ان میں سے جنگ کے زمانے کی رانڈیں مقابلتہً بہت ہی کم ہیں"۔

(۱۵) "حد سے زیادہ مباشرت جو آج کل کی شادی کی زندگی میں ہوتی ہے مرد اور عورت دونوں کے دل میں پستی اور افسردگی کا احساس پیدا کرتی ہے" آج دنیا میں یہ افلاس بڑے شہروں میں یہ غریب[1] واڑے اس وجہ سے نہیں ہیں کہ مردوں کے لیے فائدے کے کام کم ہیں بلکہ بے ضبط مباشرت کی وجہ سے، جو شادی کے موجودہ قوانین کا نتیجہ ہے"۔

(۱۶) "نسل انسانی کے مستقبل کے لحاظ سے سب سے زیادہ غضب کی بات یہ ہے کہ حمل کے زمانے میں مباشرت کی جائے"۔

اس کے بعد چین اور ہندوستان پر لعن طعن کی گئی ہے جن کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں یہاں پر کتاب کا آدھا حصہ ختم ہو جاتا ہے۔ باقی آدھے حصے میں ان خرابیوں کا علاج بتایا گیا ہے۔ اصل علاج یہ ہے کہ میاں بیوی ہمیشہ الگ الگ کمروں میں سوئیں جس کے معنی یہ ہیں کہ انھیں لامحالہ الگ الگ بستروں پر سونا پڑے گا اور صرف اس وقت اکٹھا ہوں جب دونوں کو خصوصاً بیوی کو اولاد کی خواہش ہو۔ میں یہاں ان تبدیلیوں کا ذکر نہیں کرنا چاہتا جو شادی کے قوانین میں تجویز کی گئی ہیں، ایک چیز جو تمام دنیا کی شادیوں میں مشترک ہے میاں بیوی کا ایک کمرے میں اور ایک بستر پر سونا ہے اور اسی کی مصنف نے بے انتہا مخالفت کی ہے۔ میری ناقص رائے میں وہ اس معاملے میں حق بجانب ہیں۔ یہ بالکل یقینی بات ہے کہ نفس پرستی کا مادہ جو ہم سب میں، خواہ ہم مرد ہوں یا عورت، پایا جاتا ہے وہ زیادہ تر اس توہم کے سبب سے ہے جس پر مذہب کی مہر لگا دی گئی ہے کہ میاں بیوی ایک کمرے میں اور ایک بستر پر سونے پر مجبور ہیں۔ اس کی وجہ سے ہماری طبیعت کا یہ رنگ ہو گیا ہے جس کے مہلک نتائج کا اندازہ وہ لوگ جو اس توہم کی پیدا کی ہوئی فضا میں رہتے ہیں ہرگز نہیں کر سکتے۔

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں مصنف منع حمل کے طریقوں کے بھی اسی حد تک مخالف ہیں۔ مدراس

---

[1] slums وہ محلے جن میں بہت غریب لوگ رہتے ہیں۔

کے حوصلہ مند ناشر مسٹر گینین نے مصنف سے اجازت لے لی ہے کہ اس کتاب کو ہندوستان میں شائع کرنے کے لیے علیحدہ چھپوالیں اگر انھوں نے ایسا کیا تو پڑھنے والوں کو بہت کم قیمت پر دستیاب ہو سکے گی۔ انھوں نے ترجمے کا حق بھی حاصل کر لیا ہے۔

اور بہت سی تدبیریں جو مصنف نے بتائی ہیں وہ میرے خیال میں ہم لوگوں کے لیے کوئی عملی فائدہ نہیں رکھتیں اور پھر ان کے لیے وضع قوانین کی ضرورت ہے لیکن ہر میاں بیوی اگر چاہے تو آج ہی سے پکا ارادہ کر لے کہ کبھی دونوں رات کو ایک کمرے میں یا ایک بستر پر نہ سوئیں گے اور مباشرت سے پرہیز کریں گے بجز اس صورت کے جب اس کا وہ اعلیٰ مقصد مد نظر ہو جو انسان اور حیوان دونوں کے لیے رکھا گیا ہے۔ حیوان ہمیشہ اس قانون کی پابندی کرتے ہیں انسان کو اختیار دیا گیا ہے مگر اس نے یہ غضب کیا کہ غلط راہ اختیار کی۔ ہر عورت کو حق ہے کہ وہ منع حمل سے صاف انکار کر دے۔ عورت اور مرد دونوں کو جاننا چاہیئے کہ جنسی خواہش کے ضبط کرنے سے بیماری نہیں پیدا ہوتی بلکہ صحت اور قوت حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ ذہن بھی جسم کا ساتھ دے مصنف کا خیال ہے کہ شادی کے قوانین کی موجودہ حالت 'دنیا کی اکثر خرابیوں کی جو آج کل نظر آتی ہے' ذمہ دار ہے"

ان دو آخری نتیجوں پر پہنچنے کے لئے' جن کا میں نے ذکر کیا ہے' یہ ضروری نہیں کہ مصنف کے اس عام فیصلے سے اتفاق کیا جائے مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر ہم مرد اور عورت کے تعلقات کو صحیح اور پاک نظر سے دیکھیں اور اپنے آپ کو آئندہ نسلوں کی اخلاقی فلاح کا ضامن سمجھیں تو بہت سی موجودہ مصیبتوں سے بچ سکتے ہیں۔

ضمیمہ نمبر ۱

تولید اور تجدید

(از ولیم لافٹس ہیر)

۱. تولید کا عمل حیاتیات

یک خلوی[1] نامی جسموں کو خردبین سے دیکھ کر یہ معلوم کیا گیا ہے کہ سب سے ادنیٰ قسم کے جسموں میں تولید شق[2] ہونے کے ذریعے سے ہوتی ہے غذا سے جسم نامی بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ بڑی سے بڑی جسامت جو اس جنس میں ممکن ہو حاصل کر لیتا ہے اور پھر پہلے تو اس کا صدر[3] شق ہو کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے اس کے بعد خود جسم کو بھی یہی صورت پیش آتی ہے اگر طبعی حالات موجود ہوں یعنی غذا اور پانی پہنچتا رہے تو اس کا کام یہیں پر ختم ہو جاتا ہے لیکن اگر یہ چیزیں میسر نہ آئیں تو کبھی کبھی یہ دیکھا گیا ہے کہ دونوں خلیے پھر سے مل جاتے ہیں جس سے قوت حیات تازہ ہو جاتی ہے مگر پھر تولید نہیں ہو سکتی۔

چند خلوی[4] جسموں میں بھی غذا اور نشوونما کا وہی دستور ہے جو ان سے کم درجے کے

---

[1] Unicellular صرف ایک خلیے (cell) سے بنا ہوا

[2] Fission شق ہونا

[3] Nucleus وہ مرکز جس میں شاخیں وغیرہ پھوٹتی ہیں۔

[4] Multicellular جو بہت سی خلیوں (cells) سے بنا ہو

حصوں میں۔ مگر ایک نئی بات نظر آتی ہے۔ جسم کے خلیوں میں تفریق ہو جاتی ہے اور وہ الگ الگ وظائف[1] انجام دینے لگتے ہیں، بعض غذا حاصل کرتے ہیں، بعض اسے تقسیم کرتے ہیں۔ بعض حرکت کے لیے کام آتے ہیں بعض حفاظت کے لیے مثلاً کھال۔ جو خلیے یہ نئے کام کرتے ہیں وہ شق ہونے کا پرانا وظیفہ ترک کر دیتے ہیں مگر وہ خلیے جو جسم کے اندرونی حصے میں ہوتے ہیں اسے جاری رکھتے ہیں ان اندرونی خلیوں کی حفاظت اور خدمت ان خلیوں کے ذریعے سے ہوتی ہے جو متفرق نئے وظائف انجام دیتے ہیں اور یہ خود اپنی عادت پر قائم رہتے ہیں یعنی یہ پہلے کی طرح شق ہوا کرتے ہیں مگر اب چند خلوی جسم کے باہر نہیں بلکہ اسی کے اندر البتہ ان میں سے بعض آگے چل کر جسم سے خارج بھی ہو جاتے ہیں ان خلیوں کو اب ایک خاص قوت حاصل ہو جاتی ہے یعنی وہ پہلے کی طرح دو حصوں میں الگ نہیں ہو جاتے بلکہ کئی شعبوں اور مرکزوں میں تقسیم ہونے کے باوجود ملے ہوئے رہتے ہیں۔ یہ عمل برابر جاری رہتا ہے یہاں تک کہ جسم نامی جس چند خلوی نوع سے تعلق رکھتا ہے اس کی طبعی جسامت اور ساخت حاصل کر لیتا ہے لیکن اب اس جسم میں ایک نئی بات پیدا ہو جاتی ہے یعنی بیضہ دان کے کل خلیے تو کیا ان کی بڑی تعداد بھی تناسل کی غرض سے خارج نہیں ہوتی بلکہ خود جسم کے اندر جہاں کہیں ضرورت ہوتی ہے ان خلیوں کے مجموعے میں سے تازہ ذخیرہ اندرونی تفریق کے لیے پہنچتا رہتا ہے اس طرح یہ خلیے ایک وقت میں دو وظائف ادا کرتے ہیں ایک تو اندرونی تولید جسم کی تعمیر کے لیے دوسرے بیرونی تولید بقائے نسل کی غرض سے ہے یہاں ہم دو عملوں کو بین طور پر ایک دوسرے سے تمیز کر سکتے ہیں جن میں سے ایک کو عمل تولید[2] اور دوسرے کو عمل تجدید[3] کہیں گے۔ یہاں ایک اور چیز قابل غور ہے۔ تجدید کا عمل یعنی اندرونی تولید فرد کے لیے

---

[1] Function جسم کے اعضا کے مخصوص کام۔

[2] Generation

[3] Regenaration

بنیادی اہمیت رکھتا ہو اس لیے یہ ضروری اور اولی ہے۔ بیرونی تولید تناسل خلیوں کی ا
سے ہوتا ہے اس لیے یہ ثانوی چیز ہے غالباً دونوں غذا پر منحصر ہیں اگر اس میں کمی ہو تو اندر
تولید ناقص رہے گی اور بیرونی تولید کی نہ کوئی ضرورت ہوگی اور نہ اس کا امکان باقی ر
اس لیے اس درجے میں قانون حیات یہ ہو کہ بیضہ دان کے خلیوں کو پہلے تو تجدید کے لیے ا
تولید کے لیے غذا پہنچائی جائے غذا کی کمی کی صورت میں تجدید کو مقدم سمجھنا چاہیئے اور تولید کا
دینا چاہیئے۔ اس سے یہ پتہ چل سکتا ہے کہ تولید کو روکنے کی ابتدا کیونکر ہوئی اور اس کے ر
اس نے نوع انسانی میں ترک خواہش اور عام رہبانیت کی شکل کس طرح اختیار کی، اندر
تولید یعنی تجدید کا روکنا ناممکن ہو۔ بجز اس کے کہ انسان مرنے پر کمر باندھے۔ اس طرح گویا
بھی معلوم ہو گیا کہ موت کی طبعی اصل کیا ہے۔"

۲۔ تجدید کا عمل حیاتیات میں

قبل اس کے کہ ہم نوع حیوانی اور نوع انسانی کی طرف رجوع کریں جس میں جنسی تفر
تکمیل کو پہنچ گئی ہے اور طبعی چیز بن گئی ہے ہمیں تولید کی درمیانی شکل پر بھی ایک نظر ڈ الن
چاہیئے یعنی وہ صورت جو دو جنسی شکل سے پہلے اور لاجنسی شکلوں کے بعد بھی اس قسم
جسم نامی کو "نرمادی" کہتے ہیں اس لیے کہ اس میں نر اور مادہ دونوں کے وظائف موجود
ابھی تک چند اجسام ایسے ہیں جن میں یہ حالت پائی جاتی ہے یعنی بیضہ دان کے خلیوں ک
اندرونی افزائش مذکورہ بالا طریقے سے ہوتی ہے لیکن بجائے اس کے کہ وہ جسم سے خار
ہو کر دوسرے اجسام کی نشو ونما میں کام آئیں صرف اپنی جگہ سے ہٹ کر اسی جسم کے کس
دوسرے حصے میں داخل ہو جاتے ہیں اور پرورش پاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ بغیر
مستقل زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔

نشو ونما کا قانون یہ معلوم ہوتا ہے کہ انفرادی اجسام خواہ یک خلوی ہوں یا پیچید

یا نر مادی ان میں اس درجے تک پہنچنے کی صلاحیت ہوتی ہے جہاں تک اصلی جسم ان کے اخراج کے وقت پہنچ چکا تھا۔ انفرادی جسم کی ارتقا اسی طرح ہوا کرتی ہے جب کہ اس سے اولاد پیدا ہوتی ہے تو وہ خود پہلے کے مقابلے میں تنظیم کی بلند تر منزل میں ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے اس لیے اس کی اولاد بھی اسی طبعی نقطۂ ارتقا پر پہنچ جاتی ہے تولید کا زمانہ ہر نوع کے لیے اور ہر فرد کے لیے الگ الگ ہوتا ہے مگر بہترین صورت یہ ہے کہ پختگی کے وقت سے شروع ہو اور جب انحطاط قریب ہو تو ختم ہو جائے۔ پختگی سے پہلے یا انحطاط کے شروع ہونے کے بعد جو تولید ہو۔ اس سے بلحاظ اس رنگ کے جو غائب ہو۔ اولاد ناقص پیدا ہو گی۔ غرض یہاں ہمیں جنسی اخلاق کا ایک قانون نظر آتا ہے جو طبعی حالات سے ماخوذ ہے: وہ زمانہ جس میں تولید بقائے نوع اور تجدید فرد دونوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ مناسب ہے محض پختگی کا زمانہ ہے۔

میں جنسی تفریق کی تاریخ سے جس کی باری زمادی منزل کے بعد آتی ہے قطع نظر کرتا ہوں کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جسے ہم بغیر ثبوت کے تسلیم کر سکتے ہیں البتہ ایک نئی چیز پر غور کرنا ضروری ہے جو دو جنسی اجسام کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے صرف یہی نہیں کہ زمادی جسم کے دونوں حصے خارجی طور پر الگ ہو جاتے ہیں بلکہ ہر حصہ علیحدہ علیحدہ بیضہ دان کے خلیے پیدا کرتا رہتا ہے۔ نر اندرونی تولید کے قدیم بنیادی عمل کو جاری رکھتا ہے یعنی اس کے بیضہ دان کے خلیوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے (جو بیرونی تولید میں حونیات منویہ[1] کہلاتے ہیں خواہ وہ جسم سے خارج ہوتے ہوں یا جسم کے اندر ہی کسی دوسرے میں منتقل ہو جاتے ہوں) مادہ کو بھی یہی صورت پیش آتی ہے اور وہ بیضیوں کو محفوظ رکھتی ہے خارج نہیں کرتی کہ وہ نر کے بیضہ دان کے خلیوں سے سیراب ہوں۔ دونوں صورتوں میں تجدید مقدم ہے اور فرد کے لیے نہایت ضروری ہے حمل قرار پانے کے بعد سے فرد کی نشو و نما کے ہر مرحلے میں تجدید جاری رہتی ہے اور بڑھتی چلی جاتی ہے۔ نوع

---

[1] Spermatozoa چھوٹے چھوٹے کیڑے جو منی میں ہوتے ہیں۔

انسانی میں بلوغ کے بعد اکثر تولید بھی واقع ہوتی ہے لیکن اس سے فرد کو فائدہ پہنچنا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف نوع کو۔ ادنیٰ درجے کے جانوروں کی طرح یہاں بھی اگر تجدید رک جائے یا ناقص حالت میں ہو تو موت یا بیماری ظاہر ہوتی ہے یہاں بھی فرد کی اور آئندہ نسل کی اغراض میں باہم مخالفت ہے۔ اگر بیضہ دان کے خلیے ضرورت سے زیادہ نہ ہوں تو ان کے ایک حصے کو تولید تناسل میں صرف کرنے سے اس مادے میں جو تجدید کی پونجی ہے کمی ہو جائے گی۔ سچ پوچھیے تو صرف مہذب انسانوں ہی میں جماع اس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جتنا آئندہ نسل پیدا کرنے کے لیے درکار ہے اور اس کی کثرت سے اندرونی تولید (یعنی تجدید) میں خلل پڑتا ہے اور بیماری، موت بلکہ اس سے بھی بدتر نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔

اس کے بعد ہم ایک بار پھر کسی قدر گہری نظر انسانی جسم پر ڈالتے ہیں۔ نمونے کے طور پر ہم مرد کے جسم کا ذکر کریں گے اگرچہ بعض جزوی اختلافات کے ساتھ عورت کے جسم میں بھی یہی عمل واقع ہوتے ہیں۔

بیضہ دان کے خلیوں کا مرکزی ذخیرہ حیات حیوانی کا سب سے قدیم اور بنیادی مقام ہے۔ ابتدا ہی سے جنین ہر روز بلکہ ہر گھنٹے ان خلیوں کے اضافے سے بڑھتا رہتا ہے جو ماں کے افراز سے نشو و نما پاتے ہیں۔ یہاں بھی زندگی کا قانون یہی ہے کہ "بیضہ دان کے خلیوں کو غذا پہنچاؤ۔" جوں جوں ان کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور ان میں تفریق ہوتی جاتی ہے وہ نئی نئی شکلیں اور وظائف اختیار کرتے جاتے ہیں جو کبھی عارضی اور کبھی مستقل ہوتے ہیں۔ ولادت کے فعل سے اس عمل پر کوئی اثر نہیں پڑتا بچہ بچ جائے ..... کے اب ہونٹوں کے ذریعے بیضہ دان کے خلیوں کی پرورش کے لیے غذا حاصل کرتا ہے اور یہ تیزی سے بڑھ کر سارے جسم میں پھیلتے ہیں اور ان مقامات پر پہنچتے ہیں جہاں ان کی ضرورت ہو۔ ان کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے تاکہ جسم کے از کار رفتہ ذرات کی کمی پوری کریں۔ دوران خون کا نظام ان خلیوں کو جذب کر کے ان کے اصلی مقام سے ہٹا دیتا ہے اور تمام جسم میں منتشر کر دیتا ہے۔ جب

مجموعوں کی شکل میں وہ مختلف وظائف اختیار کرتے ہیں اور جسم کے مختلف اعضاء کی تعمیر اور تجدید کرتے رہتے ہیں۔ وہ ہزاروں بار مرتے ہیں تاکہ خلیوں کی جماعت جس کے وہ رکن ہیں زندہ رہے اور اُن کی "لاشیں" اطراف جسم میں اپنے کر ہڈیوں، دانتوں، کھال اور بالوں کی تقویت اور حفاظت کا باعث ہوتی ہیں ان کی موت ہی جسم کی اعلیٰ زندگی اور اس کے لوازم کی قیمت ہے اگر وہ تغذیہ، تولید، انتشار، تفریق اور موت کا عمل جاری نہ رکھیں تو جسم کا زندہ رہنا ناممکن ہے

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں بیضہ دان کے خلیوں یا جنسی خلیوں سے دو طرح کی زندگی پیدا ہوتی ہے۔ (۱) اندرونی یا تجدیدی (۲) بیرونی یا تولیدی۔ غرض وہ چیز جسے ہم نے تجدید کہا ہے جسم کی زندگی کی بنیاد ہے اور اس کا خزانہ بھی وہی ہے جو تولید کا ہے۔ اس سے ظاہر ہو گا کہ بعض صورتوں میں یہ دونوں عمل اصولاً ایک دوسرے کے مخالف ہوتے ہیں اور اکثر یہ اصولی مخالفت حقیقی دشمنی بن جاتی ہے۔

۳۔ تجدید اور لاشعوری نفس

تجدید کا عمل محض مکانیکی طریقے سے واقع نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے بلکہ خلیوں کی تقسیم در تقسیم کی طرح یہ ایک حیاتی عمل ہے یعنی اس میں ادراک اور ارادہ پایا جاتا ہے یہ بات کہ ذی حیات چیزوں کی تفریق ان کا ایک دوسرے سے ممیز ہونا اور جدا اگانہ وجوہ اختیار کرنا محض مکانیکی ہے کسی طرح عقل میں نہیں آتی۔ مانا کہ اس طرح کے بنیادی عمل ہمارے موجودہ شعور سے اس قدر بعید رکھتے ہیں کہ بظاہر جانور یا انسان کے ارادے کا ان میں کوئی دخل نظر نہیں آتا لیکن ایک ذرا سے غور سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ جس طرح موجودہ ارتقاء یافتہ انسانوں کا ارادہ ان کے خارجی حرکات اور افعال کو ادراک کی رہنمائی میں وقوع میں لاتا ہے اسی طرح جسم کی تدریجی ارتقار کی ابتدائی منزلوں میں، ماحول کے حدود کے اندر

اس کو حرکت میں لانے کے لیے ضرور ایک قسم کا ارادہ اور ادراک موجود ہوگا. اس چیز کو آج کل نفسیات کے ماہر "لاشعور" کہتے ہیں۔ یہ ہمارے نفس کا ایک حصہ ہے جو ہمارے روزمرہ خیالات سے بے تعلق ہے لیکن اپنے وظائف کے ادا کرنے میں بہت ہوشیار اور چوکس ہے یہاں تک کہ شعور کو تو نیند بھی آجاتی ہے مگر اسے کبھی نہیں آتی"۔

غرض لاشعور وہ حیاتی قوت ہے جو تجدید کے تیج در تیج عمل کی نگرانی کرتی ہے اس کا پہلا کام سیراب شدہ بیضوں کو جنین کی شکل میں لانا ہے اس کے بعد موت کے وقت تک وہ جسم کی بقا کا سامان اس طرح کرتی رہتی ہے کہ بنیادی بیضہ دانی خلیوں کو جذب کرتی ہے اور انھیں اپنی اپنی مقررہ جگہوں پر پہنچا دیتی ہے گو اس سے بہت سے مشہور ماہرین نفسیات کی رائے کی تردید ہوگی مگر میں تو یہی کہوں گا کہ لاشعور صرف فرد سے متعلق ہے نوع سے نہیں ہے اس لیے سب سے پہلے اسے تجدید سے سروکار ہے صرف ایک معنی میں لاشعور کا تعلق آئندہ نسل سے کہا جا سکتا ہے. فرد اپنی قوت حیات کی بدولت جسمانی نظام کے جس درجے تک پہنچ چکا ہے اسے لاشعور قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ ناممکن کو ممکن نہیں بنا سکتا۔ وہ شعوری ارادے کی مدد سے بھی زندگی میں غیر محدود توسیع نہیں کر سکتا۔ اس لیے وہ مباشرت کی جبلت کے ذریعے سے اولاد کی شکل میں دوبارہ زندگی حاصل کرتا ہے. اس جبلت میں شعور اور لاشعور دونوں ملجاتے ہیں طبعی حالت میں جنسی جبلت کا پورا ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ یہاں کسی ایسے مقصد کا قدم درمیان میں ہے جو فرد کے مقاصد کے ماوراء ہے اور اسے بے جانے ہوئے اس کی بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے. اس حقیقت کو صاحب تورات نے وجدانی بصیرت سے ان الفاظ میں ادا کیا ہے جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے وعید کے طور پر کہے گئے تھے "ہم تیرے غم کو اور تیری اولاد کو بہت بڑھا دیں گے غم و الم کی حالت میں تیرے بچے پیدا ہوا کریں گے"۔

(کتاب پیدائش ۳۔ ۶)

۴۔ تولید اور موت

گو یہ مناسب علوم ہوتا ہے کہ اس مضمون میں سائنس کے ماہرین خصوصی کے اقوال ٹھونس دیئے جائیں لیکن موضوع بحث اس قدر اہم ہے۔ اور عوام میں اتنی جہالت پھیلی ہوئی ہے کہ میں چند مستند اقوال نقل کرنے پر مجبور رہوں۔ اسے لنکاسٹر کہتے ہیں:۔

"یک خلوی اجسام کی ساخت بدولت، اور اس وجہ سے ہے کہ وہ شق ہوکر بڑھتے ہیں ان میں موت کی بہ حیثیت ایک بار بار واقع ہونے والے طبعی مظہر کے گنجائش ہی نہیں ہے"۔

وائسمان رقم طراز ہیں:۔

"طبیعی موت صرف چند خلوی اجسام حیوانی میں واقع ہوتی ہے۔ یک خلوی جسم اس سے محفوظ رہتا ہے ان کی نشو ونما کی کوئی ایسی منزل نہیں ہے جو موت سے مشابہ ہو اور نہ ان میں نئے افراد کی پیدائش پرانے افراد کی موت سے وابستہ ہے شق ہوتے وقت دونوں حصے یکساں ہوتے ہیں ان میں سے ایک نیا اور دوسرا پرانا نہیں کہا جا سکتا اس طرح افراد کا ایک لاانتہا سلسلہ چلا جاتا ہے جن میں سے ہر ایک کی عمر نوع کی عمر کے مساوی ہوتی ہے ہر ایک زندگی کی غیر محدود قوت رکھتا ہے ہمیشہ تقسیم ہوتا چلا جاتا ہے مگر مرتا کبھی نہیں"۔

پیٹرک گیڈیس "ارتقائے جنس" میں جس سے یہ اقتباسات لیے گئے ہیں، لکھتے ہیں:۔

Evolution of Sex ؎

"غرض ہم کہ سکتے ہیں کہ جسم کی قیمت موت ہے۔ یہ وہ سزا ہے جو جسم پانے اور رکھنے کے بعد دیر سویر بھگتنا ہی پڑتی ہے۔ یہاں جسم سے مراد خلیوں کی ایک گنجان بستی ہے جس میں کم و بیش تقسیم محنت کا اصول کارفرما ہو"۔ (ص ۲۰)

"وائشمان" نے کیا خوب کہا ہے "اس طرح جسم سچے عاملان زندگی یعنی منوی خلیوں کا ایک ضمیمہ نظر آتا ہے"۔

رے لنکاسٹر کا بھی یہی خیال ہے:۔

"چند خلوی حیوانوں میں بعض خلیے جسم کے اجزائے ترکیبی سے الگ ہو جاتے ہیں ..... اعلیٰ حیوانات کے جسم کو جو فنا ہو جاتا ہے ہم اس نقطۂ نظر سے ایک عارضی اور غیر اہم چیز سمجھ سکتے ہیں جس کا کام بس اتنا ہے کہ لافانی خلیوں کے شق ہونے سے جو کچھ پیدا ہوتا ہے اسے ایک مدت تک اپنے اندر رکھے پرورش کرے اور غذا پہنچائے"۔

مگر ہمارے سامنے جو واقعات ہیں ان میں سب سے زیادہ قابل توجہ اور شاید سب سے عجیب وہ قریبی تعلق ہے جو اعلیٰ اجسام حیوانی کے اندر تولید اور موت میں پایا جاتا ہے اس مسئلے کے متعلق بہت سے سائنس دانوں نے وضاحت سے اور وثوق سے بحث کی ہے تولید کی سزا موت ہے یہ چیز بہت سی انواع میں بالکل ظاہر ہے جن میں کہ جسم حیوانی بعض صورتوں میں مادہ اور بعض صورتوں میں نر بقائے نسل کا فرض ادا کرتے ہوئے مر جاتا ہے۔ فرد کا اولاد پیدا کرنے کے بعد باقی رہنا زندگی کی فتح ہے جو ہمیشہ حاصل نہیں ہوتی اور بعض انواع میں تو کبھی نہیں ہوتی گیٹے نے جو مضمون موت پر لکھا ہے اس میں بڑی خوبی سے یہ دکھایا ہے کہ تولید اور موت لازم و ملزوم ہیں۔ اور دونوں تفرقی عادتے ہیں۔ پیٹر گیڈیس (مذکورہ بالا کتاب ص ۲۵) اس مسئلے کے متعلق لکھتے ہیں "تولید اور موت کا باہمی تعلق ظاہر ہے لیکن یہ تعلق جس طرح عامی زبان میں ظاہر کیا

ے Katabolic

جاتا ہے وہ غلط ہی۔ لوگ کہا کرتے ہیں کہ جانداروں کے لیے موت لازمی ہی اس لیے وہ اولاد پیدا کرنے پر مجبور ہیں ورنہ نوع کا خاتمہ ہو جائے لیکن آئندہ فائدوں پر اس طرح زور دینا یہ ہماری پالیسی ہی جو ہمیں بعد میں سوجھتی ہی تاریخ سے پوچھئے تو صحیح بات نہیں کہ ہمیں مرنا ہے اس لیے ہم اولاد پیدا کرتے ہیں بلکہ یہ ہی کہ ہمیں اولاد پیدا کرنا ہی اس لیے ہم مرتے ہیں"۔

اور گیٹے نے دو لفظوں میں یہی بات کہی ہے " یہ نہیں ہی کہ موت کی وجہ سے تولید کی ضرورت پڑتی ہو بلکہ تولید کا لازمی نتیجہ موت ہی"۔

بہت سی مثالیں دینے کے بعد گیڈیز اپنی بحث ان قابل توجہ الفاظ پر ختم کرتا ہی۔ "حیوانوں میں تولید کی قربانی اتنی مہلک نہیں ہی تاہم انسانوں میں بھی بعض اوقات میں موت محبت کی بلا واسطہ سزا ہوتی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اعتدال کے ساتھ مباشرت کرنے سے بھی تھکن پیدا ہوتی ہے۔ ہر قسم کی بیماریوں کا امکان بڑھ جاتا ہی اور قوائے جسمانی کمزور ہو جاتے ہیں"۔

اس بحث کا خلاصہ میرے نزدیک آخری نتیجہ یہ ہی کہ " جماع کا عمل نر کے لیے قطعاً تفرقی عمل ہی (یعنی اس سے موت کی تمہید شروع ہو جاتی ہے) اور وضع حمل کی شکل میں مادہ کے لیے بھی"۔

بیجا مباشرت کا جو اثر جسمانی صحت پر پڑتا ہے اس کے متعلق ایک پورا باب لکھا جا سکتا ہی۔ مردمی، قوت حیات، اور بیماریوں سے محفوظ رہنا یہ ان لوگوں کا حصہ ہی جو خواہش نفس کو بالکل ترک یا قریب قریب ترک کر دیتے ہیں اس کا ثبوت یہ ہی اگرچہ ذرا مکروہ بات ہی کہ مردوں کی بہت سی بیماریوں کا علاج کمزور جسموں میں مصنوعی طریقے سے یعنی پچکاری کے ذریعے منی داخل کر کے کیا گیا ہے۔

مضمون کے اس حصے میں جو نتیجے نکالے گئے ہیں ان کے ماننے میں غالباً پڑھنے والوں کو تامل ہوگا۔ لوگ جلد بازی سے کام لے کر بہت سے بوڑھے اور بظاہر تندرست لوگوں کی مثال پیش کریں گے جن کے متعدد بچے ہیں وہ اعداد و شمار سے یہ ثابت کریں گے کہ

متاہلوں کی عمر مجردوں سے زیادہ ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ یہ سب دلیلیں اس حقیقت کے سامنے بیکار ہیں کہ موت سائنس کے نقطۂ نظر سے کوئی حادثہ نہیں جو زندگی کے خاتمہ پر پیش آتا ہو بلکہ ایک عمل ہے جو بہ قول ان مستند عالموں کے جن کا میں نے حوالہ دیا ہے زندگی کے ساتھ ہی ساتھ شروع ہو جاتا ہے اور ہر لحظہ اس کے پہلو بہ پہلو جاری رہتا ہے۔ تجمعی[1] ..... اور تفرقی تحلیل[2] موت اور زندگی کی قوتیں ہیں جو ساتھ ساتھ کام کرتی رہتی ہیں بچپن اور جوانی میں پہلی قوت دوڑ میں آگے ہوتی ہے۔ ادھیڑ سن میں دونوں برابر ہو جاتی ہیں اور ڈھلتی عمر میں موت کی قوت آگے نکل جاتی ہے اور آخری سانس میں پالا مار لیتی ہے۔ ہر چیز جس سے اس جیت میں مدد ملتی ہے، جو دوڑ کی مدت کو ایک دن، یا ایک سال یا دس سال کم کر دیتی ہے موت کے عمل کا ایک جزو ہے یہ بات مباشرت میں پوری طرح موجود ہے خصوصاً جب وہ حد سے بڑھ جائے۔

ان لوگوں سے جنھیں میرے قول کی صحت میں شبہ ہو یہ کہنا کافی ہے کہ انھیں ایک نہایت دلچسپ اور پر از معلومات کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے جس کا نام عمر، نشو و نما اور موت کا مسئلہ[3] ہے یہ چارلس ۔بس۔ منوٹ کی تصنیف ہے۔ اور اس میں انحطاط اور موت کے عضویاتی مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ چونکہ یہ کوئی طبی کتاب نہیں بلکہ عام پسند لکچروں کا مجموعہ ہے اس لیے اس میں خاص امراض اور جنسی مسائل کی بحث محض سرسری طور پر کی گئی ہے۔ وہ بات جسے میں سند کے طور پر پیش کرتا ہوں یہ ہے کہ موت ایک مسلسل عمل ہے کوئی جداگانہ حادثہ نہیں ہے۔ مگر جنسی مسائل کے متعلق سب سے زیادہ قابل قدر کتاب میرے نزدیک "تجدید[4] یا جنت کا دروازہ"

---

[1] Katabolic Waste [2] Anabolic Repair

[3] The problem of age, Growth and Death. by Charles A. Minot (1903 John Murray)

[4] Regeneration, the gate of Heaven, by

ڈاکٹر کینتھ سلون گتھری کی لکھی ہوئی ہے جس کے نام ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں روحانی مقصد پر زیادہ زور دیا گیا ہے، گو جسمانی اور اخلاقی پہلوؤں پر بھی مکمل بحث ہے اور اس کی تائید میں سائنس دانوں اور آبائے کلیسا دونوں کے بیشمار اقوال پیش کئے گئے ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ مصنف نے جبنی جذبے اور موت کے تعلق پر زور نہیں دیا ہے جو میرے مضمون کے اس حصے کا موضوع ہے۔

۵۔ دماغ

تولید اور تجدید میں مستقل تضاد جس حد تک ہے اس کا اندازہ اس وقت ہو سکتا ہے جب ہم جسم کے اعلیٰ وظائف خصوصاً دماغ کے افعال پر غور کریں خود اختیاری اور مخی نظام عصبی بھی اور اعضا کی طرح خلیوں سے بنے ہیں جو کسی وقت میں بیضہ دانی خلیے تھے اور زندگی کے اندرونی مرکز سے منتقل ہو کر آئے تھے یہ خلیے تفریق اور تقسیم کے بعد مسلسل نظام عصبی کے عقدوں میں اور بہت بڑی تعداد میں دماغ کے اندر پہنچتے رہتے ہیں تولید یا صرف لذت نفس کے لیے جنین کے خلیوں کو تجدید کے عمل سے ہٹانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارے اعضا رتازہ مایہ حیات کی رسد سے محروم ہو جاتے ہیں جس کا مضر اثر ان پر آہستہ آہستہ پڑتا رہتا ہے اور ایک وقت ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ ان عضویاتی واقعات سے ایک شخصی اخلاق جبنی کی بنیاد پڑتی ہے جو کامل ضبط نہیں تو اعتدال کا ضرور تقاضا کرتا ہے اور بہر حال اس سے ضبط کی اصلیت سمجھ میں آجاتی ہے جیسا ہم اوپر کہہ چکے ہیں۔

میں بے تامل اس حصے میں بہت سی مثالوں میں سے ایک مثال پیش کرتا ہوں جس سے یہ ظاہر ہو گا کہ فلسفے کے بعض نظاموں میں ترک مباشرت ذہنی اور روحانی قوت کا باعث

Dr. Kenneth Sylvan Guthrie.

سمجھا جاتا ہے ناظرین پتن جل کے "یوگ ستر" کا کوئی مستند ترجمہ (میرے علم میں سب سے مشہور جیمس ووڈ کا ترجمہ ہے جو ہارورڈ کی اورینٹل سیریز میں شائع ہوا ہے) ملاحظہ کریں تو انھیں اس بات کی تصدیق ہو جائے گی جو میں مختصر الفاظ میں ذیل میں لکھتا ہوں۔

غالباً وہ لوگ جو ہندوستان کی مذہبی اور معاشرتی زندگی سے واقف ہیں یہ جانتے ہوں گے کہ رہبانیت کا رواج ہندوؤں میں پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے اسے پہلے تپس کہتے تھے اور اس کے دو مقصد تھے ایک یہ کہ جسم کی قوت قائم رکھی اور بڑھائی جائے اور دوسرا یہ کہ غیر معمولی ذہنی قوتیں حاصل کی جائیں عام طور پر پہلا طریقہ ہتھ یوگ کہلاتا ہے اور اس میں بڑی ترقی ہوئی ہے یہاں تک کہ جسمانی تکمیل بجائے خود ایک مقصد بن گئی ہے جسے راج یوگ کہتے ہیں زیادہ تر ذہنی اور باطنی نشوونما مقصود ہوتی ہے مگر ایک نہایت اہم جسمانی اخلاق ان دونوں میں مشترک ہے جس کی طرف میں اب توجہ دلاتا ہوں۔ اس کی تشریح پتن جلی کے قدیم ستروں میں اور اور بہت سی اور کتابوں میں ہے جن کا ماخذ ہند قدیم کے اس جدید ماہر نفسیات کی تصانیف ہیں۔

عرفان کی منزل میں جو رکاوٹیں ہیں ان میں جذبہ نفس کا تغیر (نمبر ۲۔۷) ہے فلسفی جذبہ نفس کی تعریف یہ کرتا ہے کہ وہ لذت یا اس کے حاصل کرنے کے ذریعوں کا لالچ یا طلب یا خواہش ہے یوگی کو چاہیئے کہ لذت کو ترک کرے کیونکہ وہ الم کے ساتھ مخلوط ہے (۲۔ ۱۵) یہ تو جسمی جذبے کی نفسی کشش کا رد ہو گیا۔ اس کے بعد ستروں میں جسمانی مصلحتوں کا ذکر ہے۔

یوگ کے حاصل کرنے کے آٹھ سہارے ہیں ان میں سے پہلا اور دوسرا بعض چیزوں پر عمل اور بعض کا ترک ہے جسے مبادی اخلاق سمجھنا چاہیئے اور جو ہر یوگی کو برتنا چاہیئے نہایت تعجب ہے کہ بہت سے لوگ جو یوگ کے طریقوں کے متعلق لکھا کرتے ہیں یا تو اس سے واقف نہیں یا خاص کر کے نہیں کہتے کہ چوتھا ترک بے ضبطی سے پرہیز ہے (۲۔۳۰) اور ضبط سے مراد آلۂ تناسل کا قابو میں رکھنا ہے۔

اس فلسفی کے نزدیک بے ضبطی سے پرہیز کے بڑے بڑے فوائد ہیں (۲۔۳۸) بہ قول اس کے "ضبط نفس کی ابتداء کرتے ہی اس کے جسم میں چستی یعنی قوت پیدا ہو جاتی ہے اس کی بدولت وہ بہت سی صفات حاصل کرتا ہے مثلاً جزو رسی (یعنی ہر چیز کی جزویات پر نظر رکھنا) اور تکمیل کے بعد اسے آٹھ کمالات عطا ہوتے ہیں جن میں سے پہلا "استدلال" ہے وہ اپنے خیالات سننے والوں کے ذہن میں منتقل کر سکتا ہے۔

کتنا خوش نصیب ہے یہ شخص! کتنی عجیب و غریب ہے یہ صفت! زمانہ حال کے ایک ہندوستانی عالم م۔ن۔ دویدی نے اس ستر کی بڑی معنی خیز شرح کی ہے جس پر میں اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں۔" عضویات کا ایک مشہور قانون ہے کہ منی کو ہمارے ذہن سے بہت گہرا تعلق ہے اور ہم اس پر یہ اضافہ کر سکتے ہیں کہ ہماری روحانیت سے بھی اس اہم جوہر زندگی کو ضائع نہ کرنے سے قوت حاصل ہوتی ہے سچی پر اسرار قوت جس کے لوگ آرزومند ہیں یوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک یہ اہم ابتدائی شرط پوری نہ ہو جائے" یہاں اتنا اور کہہ دینا چاہیئے کہ یوگ کی بہت سی شرحوں میں مقصد اور اس کے حاصل کرنے کے ذرائع افسانوں کے پردے میں چھپے ہوئے ہیں جن پر علمی رنگ کا ملمع کر دیا گیا ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ "قوت" سانپ کی طرح رینگتی ہوئی سب سے نیچے چکر سے سب سے اونچے چکر تک چڑھتی ہے یعنی خصیوں سے دماغ تک۔

۱۔ شخصی جنسی اخلاق

اخلاق کا ماخذ زندگی کے تجربات ہیں خواہ افراد کے ہوں یا معاشروں کے یا کل نوع کی تاریخ کے لحاظ سے کوئی بڑا آدمی اسے منضبط کرتا ہے اور کبھی کبھی واجب العمل بنانے کے لیے خدائے تعالیٰ کے یا دیوتاؤں کے احکام سے منسوب کر دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ، بدھ، کنفیوشس، سقراط، ارسطو، حضرت عیسیٰ، اور ان سب اخلاقیوں اور فلسفیوں نے جو اُن کے بعد آئے۔

اپنے اپنے زمانے میں اور اپنے اپنے ملک میں ایسے معیار بنائے جن پر انسانی اعمال جانچے جا سکیں
اجتماعی اخلاقی نظام کی بنا مابعد الطبیعات، نفسیات، عضویات، اور عمرانیات پر ہوتی ہے اور
ان سب علوم سے وہ اصلی یا فرضی واقعات اخذ کیے جاتے ہیں جو ثبوت کے محتاج نہیں ہوتے۔
اس لیے کسی خاص عہد یا تمدن کا شخصی جنسی اخلاق اس معلومات پر مبنی ہوگا جو لوگوں کو اپنے تجربے
میں سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے یہ شخصی جنسی اخلاق بھی اجتماعی جنسی اخلاق کی طرح ہر عہد میں مختلف
ہوتا ہے مگر اس میں بعض ایسے عناصر بھی ہیں جو کم و بیش مستقل اور دائمی ہیں۔

اگر ہم موجودہ عہد کے لیے شخصی جنسی اخلاق کا ضابطہ بنانے کی کوشش کریں تو ہمیں تمام یقینی اور
ظنی واقعات سے خصوصاً ایسے واقعات سے جن کی تصدیق قابل اعتماد مشاہدہ کرنے والوں کے تجربے
سے ہو چکی ہے نتائج اخذ کرنا پڑیں گے اگر میں یہ کہوں تو کچھ بیجا نہ ہوگا کہ میں نے اس مضمون کے پہلے
پانچ حصوں میں جن واقعات کو پیش کیا ہے ان سے بے لاگ اور سمجھ دار پڑھنے والے کا ذہن
بعض منطقی اور لازمی نتائج کی طرف منتقل ہوگا جسمانی، ذہنی اور روحانی فلاح کے نقطۂ نظر سے
جنسی خواہش کا ضبط وہ اٹل قانون ہے جو ان واقعات سے اخذ کیا جاتا ہے مگر فوراً ہی ایک
اور قانون اس کے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے جیسے مسیح کے حواریوں نے "ہمارے اعضا
کا قانون" کہا ہے یہاں ہمیں قانونی تناقض سے سابقہ پڑتا ہے یعنی ایک قانون دوسرے
قانون کی تردید کرتا نظر آتا ہے ان میں سے پرانا قانون فطرت کا قانون ہے جو جنسی جبلت میں
کارفرما ہے اور نیا قانون وجدان کا، سائنس کا تجربے کا عقیدے کا نصب العین کا قانون ہے
قدیم قانون پر چلنا اختلاط اور قبل از وقت موت کا باعث ہوتا ہے۔ جدید قانون کی راہ میں اس قدر
دشواریاں ہیں کہ اس کی آواز پر کوئی کان نہیں دھرتا یہ صورت واقعہ لوگوں کے سامنے بیان
کی جائے تو وہ یقین ہی نہیں کرتے وہ فوراً اگر مگر کرنا شروع کر دیتے ہیں یہاں یہ کہ دینا مناسب
ہے کہ جوگی، فقیر اور سادھو کا سخت سے سخت ضابطہ اخلاق محض افسانوں یا توہمات پر مبنی
نہیں ہے جیسا لوگ عام طور پر سمجھا کرتے ہیں بلکہ ان عضویاتی واقعات کے وجدانی احساس پر جو

اس مضمون میں بیان کئے گیے ہیں

جہاں تک مجھے معلوم ہے آج کل کے کسی مصنف نے ایک عیسائی کے جنسی اخلاق کا مسئلہ اس قدر واضح اور پر زور طریقے سے بیان نہیں کیا جیسے لیو ٹالسٹائی پرانے روس کے عین پسند فلسفی نے جس کے نظریات کوئی نہیں پوچھتا۔ میں اس کے خیالات کے نمونے کے طور پر یہ عبارت نقل کرتا ہوں۔

۱۰۲۔ تناسل کی جبلت یعنی جنسی جبلت انسان کے اندر خلقی چیز ہے بہیمی حالت میں وہ اس جبلت کو تسکین دے کر اپنی فطرت کے مقتضا کو پورا کرتا ہے اور اسی میں فلاح پاتا ہے۔

۱۰۳۔ لیکن جب انسان کا شعور بیدار ہوتا ہے تو اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس جبلت کی تسکین سے ذاتی فلاح حاصل ہو سکتی ہے اور وہ مباشرت تناسل کی غرض سے نہیں بلکہ خود اپنی فلاح کے لیے کرتا ہے۔ اسی کا نام جنسی گناہ ہے....

۱۰۶۔ پہلی صورت میں جب انسان یہ کوشش کرتا ہے کہ پاک دامن[2] رہے اور اپنی ساری قوتیں خدا کی خدمت کے لیے وقف کر دے تو مباشرت ہر صورت میں گناہ ہے خواہ اس کا مقصد اولاد کی پیدائش اور پرورش ہو۔ اس شخص کے لیے جس نے اپنی مرضی سے پاک دامنی کی زندگی اختیار کی ہے نکاح کی بے لوث حالت بھی خلقی گناہ ہے۔

۱۱۳۔ جنسی گناہ یا خطا اس شخص کے لیے جس نے پاک دامنی اختیار کی ہے یہ ہو کہ اس کے امکان میں سب سے برتر مشغلہ تھا اور وہ چاہتا تو اپنی ساری قوتیں خداوند تعالیٰ کی خدمت میں، یعنی محبت کی ترویج اور حقیقی فلاح کے حصول میں صرف کر سکتا تھا مگر پھر بھی وہ ادنیٰ درجے کی

---

[1] پڑھنے والوں کو یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ٹالسٹائی نے گناہ کی جو تعریف کی ہے اسے دینیات سے کوئی تعلق نہیں اس کے نزدیک گناہ وہ چیز ہے جو محبت کی راہ میں رکاوٹ ڈالتی ہے اور محبت عالمگیر ہمدردی کا نام ہے۔

[2] پاک دامنی سے مصنف کی مراد کامل ترک مباشرت ہے

زندگی پر جھک پڑا اور اس نے اپنے آپ کو سچی فلاح سے محروم رکھا۔

۱۱۴۔ جنسی گناہ یا خطا کی اصلیت اس شخص کے لیے جس نے تناسل کو اختیار کیا ہو یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اولاد سے یا کم سے کم خاندانی تعلقات سے محروم کر رہا ہے جو اس خاص زندگی کی سب سے برتر فلاح ہو۔

۱۱۵۔ اس کے علاوہ جیسا کہ تمام خواہشوں کی تسکین میں ہوتا ہو۔ جو لوگ مباشرت کی لذت کو بڑھانا چاہتے ہیں انھیں یہ مشکل پیش آتی ہو کہ جس نسبت سے خواہش نفس بڑھتی جاتی ہو فطری لذت کم ہوتی جاتی ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ ٹالسٹائی کا نظریہ اخلاقی اضافیت پر مبنی ہو اس کے نزدیک انسان کا اعلیٰ نصب العین خدا کی طرف سے یا کسی واجب الاطاعت معلم کی طرف سے مقرر نہیں کیا جاتا ہو بلکہ ہر فرد خود ہی اس کا انتخاب کرتا ہو۔ ضرورت صرف اس کی ہو کہ جو قانون اس نے قبول کر لیا ہو اس پر عمل کرے اس اخلاق میں ترک کے احکام میں مدارج رکھے گئے ہیں جو اوپر سے شروع ہو کر نیچے اترتے چلے جاتے ہیں جو شخص کامل ترک مباشرت کا قائل ہو جو اعلیٰ جسمانی اور ذہنی مقاصد کی خاطر سمجھ بوجھ کر ضبط نفس سے کام لیتا ہو اس کے لیے مباشرت ہر صورت میں ناجائز قرار دی گئی ہے جس شخص نے نکاح کا معاہدہ کر لیا ہے اس کے لیے غیر نکاحی مباشرت ممنوع ہو اور نیچے اترئے تو مجرد لوگوں کی بے قید یا بے قاعدہ مباشرت سے بھی عصمت فروشی کا ذلیل پیشہ خارج ہو اور اس کے بعد فطری جماع کرنے والوں کو خلاف وضع فطرت افعال سے پرہیز لازم ہو آخری درجے میں ان لوگوں کے لیے جو کسی شکل میں بھی مباشرت کرتے ہیں جماع کی کثرت اخلاقی بدی سمجھی جائے گی اور نابالغ اور کم سن اشخاص کو ایک خاص مدت تک یہ فعل ملتوی رکھنا چاہیے یہ ہو جنسی اخلاق کا نظام

میرے خیال میں کوئی شخص نہیں ہوگا جو اس عام جنسی اخلاق کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے اور بہت کم لوگ ہوں گے جو غور کرنے کے بعد اس کی اہمیت سے انکار کریں مگر عموماً اس قسم کے اخلاق کے

مقابلے میں طرح طرح کے جھوٹے استدلال سے کام لیا جاتا ہے لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ چونکہ پاکدامنی مشکل اور کمیاب ہے اس کی حمایت کرنا غلط ہے اس دلیل کے مطابق تو شادی کے عہد کو نباہنا جو بعض صورتوں میں مشکل ثابت ہوتا ہے نکاحی مباشرت میں اعتدال فطری جماع کی پابندی یہ سبھی چیزیں غلط قرار پائیں گی اگر ایک نصب العین سے انکار کیا جائے تو پھر سبھی سے انکار کرنا پڑیگا اور انسان پست سے پست برائیوں میں مبتلا ہو جائے گا اور خواہش نفس کا بندہ بن کر رہ جائے گا آخر جب یہ ہو تو وہ کیوں نہ ہو۔ معقول اور منطقی طریقہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ ہم آسمان کے ستاروں کی تقلید کریں یعنی اپنے نصب العین کو رہنما ستارہ سمجھ کر اس کے پیچھے پیچھے ایک انحراف کے بعد دوسرے انحراف سے نکلتے چلے جائیں اور ایک قانون کی قوت سے اس کے برعکس قانون پر غالب آئیں چنانچہ اس اخلاق پر سوچ سمجھ کر عمل کرنے سے ممکن ہے کہ انسان نوجوانی کی خلاف فطرت بدکاری کو چھوڑ کر فطری مباشرت اختیار کرے گو وہ بھی ناجائز ہو پھر اس سے آگے بڑھ کر شادی کے ضابطہ کا پابند ہو جائے اپنی اور اپنی رفیق زندگی کی خاطر اس حد تک ضبط نفس سے کام لے جہاں تک دونوں برداشت کر سکیں پھر اس اخلاق کی بدولت اسے کامل پاکدامنی کی بلند تر فتوحات نصیب ہو سکتی ہیں یا وہ پست تر خواہشوں میں مبتلا ہونے سے بچ سکتا ہے۔

۷۔ عشق اور کرم

انجیل میں محبت کے متعلق بہت کچھ تعلیم ہے اور اس کے دو تصور پیش کئے گئے ہیں جن پر علیحدہ علیحدہ نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ پہلا تصور عشق کا ہے جس سے مراد ہے زندگی کی محبت، دنیا کی محبت، مرد عورت کی محبت، غرض ان سب حسیات و جذبات کی محبت جن سے لذت حاصل ہوتی ہے عشق ہمارے ارادے اور اختیار کی بات نہیں کسی چیز کی طرف ہمارا دل خود بخود کھنچتا ہے کسی چیز سے بھاگتا ہے یہ اصل میں خود زندگی کی کشش ہے جس کی قوت ہماری قوت سے برتر ہے اور جس کے اثر سے ہم عموماً کسی خاص فعل پر آمادہ ہوتے ہیں ہماری پسند اور ناپسندی، محبت اور عداوت، رغبت

اور نفرت یہ سب عشق کے سلسلے کی کڑیاں ہیں آخر عشق کا مقصد کیا ہے؟ اس کا مقصد راحت ہے
اس ذات کی راحت جس کے مطالبوں کا احساس انسان کو سب سے زیادہ ہو یعنی خود اپنی اس
راحت کی طلب خود غرضی کے ساتھ ہر شخص کی زندگی میں ہر نسل میں ہر قوم میں جاری رہتی ہے
اور اس کی شدت اور سختی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ یہ عالمگیر جنگ کی شکل اختیار کر لیتی ہے
یہ بہت سی منزلوں سے گذرتی ہے عقل کی مدد سے طرح طرح کے آلات بنواتی ہے قسم قسم کی
معاشی تدبیروں سے کام لیتی ہے اور اس وقت جدید تمدن کی شکل میں ہمارے سامنے موجود
ہے۔

ہمیں یہ سوال کرنے کا حق ہے کہ آخر اس عشق یا حب زندگی کے متعلق مسیح کی تعلیم کیا تھی!
یہ کہ اسے حقیر سمجھا جائے اس کی طرف سے بے توجہی برتی جائے اس کی مزاحمت کی جائے یا
خاتمہ ہی کر دیا جائے؟ یا یہ کہ ایسے اپنے مقاصد کے حاصل کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے؟
عشق کے متعلق جو کچھ تعلیم ہے اس کا خلاصہ یہ سیدھے سادے الفاظ ہیں:۔
"تمہارا آسمانی باپ ان چیزوں کو جانتا ہے جن کی تمہیں حاجت ہوتی ہے" اور "تم
خدا کی سلطنت اور نیکی کے طالب ہو تو یہ سب چیزیں بھی تمہیں عطا کر دی جائیں گی"
یعنی عشق کو ترک نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اسے بلند تر مدارج کا زینہ بنانا چاہیئے مسیح ایک
بہتر مقصد تجویز کرتے ہیں جس میں انسان کامیاب ہو جائے تو اسے "زیادہ بھری پری زندگی"
حاصل ہو جائے گی جس میں عشق شامل ہے۔

اس مقام پر انجیل میں اس خاص مسیحی محبت کا ذکر ہے جسے ہم کرم کہہ سکتے ہیں اس میں
اور عشق میں جو امتیاز ہے اسے ہم آسانی سے سمجھ سکتے ہیں بہ خلاف عشق کے کرم شخصی ارادے
کا فعل ہے۔ یہ وہ مہر و محبت ہے جو رغبت اور نفرت سے بالاتر ہے اور دوست دشمن سب کے
لیے عام ہے۔ مسیحی محبت ہرگز وہ کمزور اور رقت آمیز جذبہ نہیں ہے جو لوگوں نے عام طور پر
سمجھ رکھا ہے بلکہ خود اپنی ماہیت کے لحاظ سے ایک ارادتی کوشش ہے جو جذبات کی [illegible] سے

آزاد ہو جاتی ہے یہ محض ارادہ نہیں ہے بلکہ وہ ارادہ جس کے ساتھ نیکی کی شرط ہے اور مسیح کا پیرو جب اس محبت کو برتتا ہے تو دوسروں کو اس سے اپنے اپنے مقاصد عشق کی تکمیل میں مدد ملتی ہے۔ آسمانی باپ کی طرح وہ بھی جانتا ہے کہ "انسانوں کو کن چیزوں کی حاجت ہوتی ہے" تخیل اور ہمدردی کی بدولت وہ ان کی حاجتیں پوری کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے کیونکہ وہ دوسروں کے ساتھ وہی کرنا چاہتا ہے جو وہ چاہتا ہے کہ دوسرے اس کے ساتھ کریں وہ جانتا ہے کہ ان کے اندر بھی عشق اسی طرح زندگی کا طالب ہے جیسے خود اس کے اندر غرض مسیح کے پیرو کا تصور زندگی عشق کے مطالبات کی نفی نہیں کرتا بلکہ کرم کے وصف پر زور دیتا ہے اس طرح مسیحی اخلاق زندگی کی ایک نئی راہ ہے جس میں انسان اس راہ سے جس پر دنیا چلتی ہے منہ موڑ لیتا ہے اور بجائے اپنی ذاتی راحت کی کوشش کرنے کے سب کا بھلا چاہتا ہے عالمگیر راحت کی سعی کرتا ہے اور لوگوں کی طرح ابتدائی عہد کے عیسائیوں کو بھی زریں اصول کی تعلیم دی جاتی تھی ....

انسانوں کو چاہیئے کہ خدا کی ذات کا پرتو اپنی ذات میں پیدا کریں جیسا وہ لطف و کرم میں کامل ہے ویسا ہی اس کے بندوں کو بھی ہونا چاہیئے" کیونکہ وہ عین محبت ہے"۔

(متی ۵-۴۸) (یوحنا ۱-۴-۸)

۸۔ اجتماعی جنسی اخلاق

جس طرح معاشرہ افراد کی جدوجہد کی توسیع اور اتحاد عمل کا نتیجہ ہے اسی طرح اجتماعی جنسی اخلاق کا سرچشمہ شخصی اخلاق ہیں۔ دوسرے الفاظ میں معاشرے کو اس کی ضرورت پڑتی ہے کہ شخصی اخلاق میں اضافہ اور ترمیم کرے جس کی سب سے اہم مثال شادی کی رسم ہے۔ شادی کی تاریخ کے متعلق سائنس کے عالموں نے بہت کچھ لکھا ہے اور بیشمار معلومات فراہم ہو چکی ہیں۔ یہاں صرف اس تحقیقات کے نتائج کا ذکر کر دینا کافی ہے تاکہ اصلاح کی جو

جدید تدبیریں تجویز کی گئی ہیں انھیں ہم سمجھ سکیں۔

قدیم زمانے میں تناسل کے واقعات کی بنا پر ماں کی اہمیت باپ سے زیادہ تھی اور یہی ہونا بھی چاہیئے تھا فطرت کے عمل میں بڑا حصہ ماں کا ہوتا ہے وہی خاندان کی نشو ونما کا مرکز ہے چنانچہ ایک زمانے میں مادری حکومت کا عام رواج تھا اور چند شوہری[1] یعنی ایک عورت کے ساتھ جس کی شخصیت مرکزی حیثیت رکھتی تھی کئی مردوں کا رہنا جائز سمجھا جاتا تھا۔ اس نظام کے کچھ آثار ایشیا کی ابتدائی قوموں میں اب تک پائے جاتے ہیں آگے چل کر ایک حد تک قبائل کے اجتماع کی وجہ سے رفتہ رفتہ شوہر کی ایک علیحدہ حیثیت ہو گئی ان چند مردوں میں سے جو عورت کیساتھ رہا کرتے تھے اس شخص کو جو اس کا سب سے قوی محافظ اور اسے سب سے زیادہ پسند تھا ترجیح کا مرتبہ حاصل ہو گیا سچ پوچھئے تو لفظ (Husband)[2] کے اندر مرتبہ شوہری کی اسکینڈینیوی زمانے تک کی تاریخ موجود ہے۔ یہ لفظ اصل میں (Husbonde) تھا جس کے معنی ہیں خانہ نشیں یعنی شوہر گھر پر رہنے کا پابند تھا اور دوسرے بہیں تھے۔ آخر ایک دن شوہر کا گھر کا مالک ہو گیا اور انھیں شوہروں میں سے ایک شخص قبیلے کا سردار یا بادشاہ قرار پایا جس طرح مادری حکومت میں چند شوہری کا رواج تھا اسی طرح مرد کی حکومت میں چند زنی[3] کا دستور ہو گیا

غرض معاشرتی نقطۂ نظر سے نہ سہی مگر نفسیاتی نقطۂ نظر سے مرد فطری طور پر چند زنی کی طرف اور عورت چند شوہری کی طرف مائل ہے۔ مرد اپنی آرزو کی شعاعیں ہر طرف پھیلاتا ہے اور جس وقت جو عورت سب سے زیادہ دلکش ہو اسی کو اس روشنی کے حلقے میں گھیر لیتا ہے یہی حالت عورت کی ہے مگر انسانی معاشرہ خواہ ابتدائی عہد کا ہو خواہ موجودہ عہد کا بغیر اس کے

---

[1] Plyandry چند شوہری۔ ایک عورت کے ایک سے زیادہ شوہر ہونا

[2] اس کے معنی اب شوہر کے ہیں۔

[3] polygamy ایک مرد کے ایک سے زیادہ بیویاں ہونا

قائم ہی نہیں رہ سکتا کہ ان بے قید، فطری عارضی خواہشوں پر جو انسان سے نیچے کی مخلوق میں اس کثرت سے پائی جاتی ہیں، کسی قسم کی قیود عائد کی جائیں۔ چنانچہ معاشرے کو جو قید ناگزیر طور پر ایجاد کرنا پڑی وہ شادی تھی اور وہ بھی آگے چل کر وحدت ازدواج تک محدود کردی گئی۔ دوسری صورت صرف یہ ہو کہ کوئی قید نہ رہے اور کم سے کم موجودہ معاشرے کا شیرازہ بالکل بکھر جائے۔ ظاہر ہے کہ یہی کشمکش ہم آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں عصمت فروشی بے قاعدہ اور ناجائز تعلق بدکاری اور طلاق کے واقعات سے روزمرہ اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ وحدت ازدواج کا قدم اب تک قدیم ابتدائی تعلقات کے مقابلے میں پوری طرح نہیں جما ہے اور خدا جانے کبھی جمے گا بھی یا نہیں۔

بہر حال ایک چیز کو جس کا پوشیدہ طور پر تو عرصے سے رواج تھا۔ مگر اب چند دن سے بغیر شرم و حجاب کے ظاہر ہو گئی ہے، خیر باد کہنا لازمی ہے اس کا نام "انضباط ولادت" رکھا گیا ہے اور اس سے مراد منع حمل کے کیمیاوی اور آلاتی طریقے ہیں ظاہر ہے کہ حمل کی وجہ سے علاوہ اس بوجھ کے جو عورت کو اٹھانا پڑتا ہے، مرد خصوصاً معقول طبیعت کے مرد کو بھی مدت تک ضبط سے کام لینا پڑتا ہے....

....

۹۔ خاتمہ

اس مضمون کا حال اس بیج کا سا ہوگا جیسے بونے والا بوتا ہے۔ یہ کچھ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں پڑے گا جو اسے حقارت کی نظر سے دیکھیں گے کچھ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں جو ناقابلیت یا محض کاہلی کی وجہ سے اسے سمجھ تک نہ سکیں گے جو لوگ اس کے خیالات کو پہلی بار سنیں گے ان میں سے بعض کے دل میں مخالفت بلکہ خفگی کا جذبہ پیدا ہوگا لیکن چند آدمی ایسے بھی نکل آئیں گے جو اسے سچا اور مفید سمجھ کر اس سے متاثر ہوں گے تاہم ان کے دلوں میں بھی شبہات اور سوالات پیدا ہوں گے سیدھے سادے لوگ مجھ سے کہیں گے "آپ کی دلیلوں کی رو سے مباشرت ہونا ہی

ہنیں جاہیے۔ ایسا ہوا تو دنیا انسانوں سے خالی ہو جائے گی اور یہ بالکل مہمل بات ہے اس لیے آپ یقیناً غلطی پر ہیں" میرا جواب یہ ہے کہ میں نے ہرگز کوئی اس قسم کا خطرناک نسخہ تجویز ہنیں کیا البتہ "انضباط ولادت" ولادت کو روکنے کی سب سے قوی تدبیر ہے اور اس کی بدولت دنیا کی آبادی اتنی جلد ختم ہو جائے گی کہ ضبط نفس کی کوشش سے کبھی نہیں ہو سکتی۔ میرا مقصد بالکل سیدھا سادا ہے۔ جہالت اور ہوس کے مقابلے میں فلسفے اور سائنس کے چند حقائق پیش کر کے میں اپنے زمانے کے جنسی تعلقات کو آلائشوں سے پاک کرنا چاہتا ہوں۔

ضمیمہ نمبر ۲

پاکدامنی اور[۱] نفس پرستی

جنسی تعلقات کا مسئلہ بھی عجیب و غریب چیز ہے اگرچہ یہ ہمارے لیے بالواسطہ اور بلاواسطہ اس قدر اہمیت رکھتا ہے اور ہر شخص کو اس پر کبھی نہ کبھی غور کرنا پڑتا ہے لیکن سب انسانوں نے کچھ اتفاق سا کر لیا ہے کہ اس مسئلے میں خاموش رہیں گے خصوصاً عورت اور مرد ایک دوسرے کے سامنے ہرگز اس کے متعلق گفتگو نہیں کریں گے انسانی زندگی کی ایک نہایت دلچسپ چیز بڑے سے بڑے بھید سے زیادہ چھپائی جاتی ہے اس کے بارے میں دنیا کے تمام مذہبی حقائق سے زیادہ ادب اور رازداری سے کام لیا جاتا ہے۔ میرے خیال میں نہایت بے تکلف دوستوں میں بھی اس چیز کی لذتوں اور تکلیفوں کا ذکر عموماً نہیں کیا جاتا اگرچہ اس کے خارجی پہلو یعنی محبت کی ایک ایک بات کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے

شیکر فرقے[۲] کے لوگ جو انداز اس کا ذکر کرنے میں اختیار کرتے ہیں اس سے اس کی اہمیت میں ہرگز اتنا مبالغہ نہیں ہوتا جتنا اس اہتمام سے جو اور لوگ اس کا ذکر نہ کرنے میں برتتے ہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ لوگ اس موضوع پر یا کسی موضوع پر بھی خواہ مخواہ گفتگو کریں۔ چاہے انھیں کوئی معقول بات کہنا ہو یا نہ ہو۔ مگر اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ابھی انسانوں کی تعلیم اچھی

---

[۱] از مضامین ہنری ڈیوڈ تھورو

[۲] Shakers۔ عیسائیوں کا ایک فرقہ جو مانچسٹر میں قائم ہوا تھا اور امریکہ میں اب تک پایا جاتا ہے اس کا عقیدہ ہے کہ مسیح کا ظہور ثانی بھی گذر چکا

طرح شروع بھی نہیں ہوئی کیونکہ ابھی تک ان میں سچے معنی میں مبادلۂ خیالات بہت ہی کم ہوتا ہے
پاکدامن لوگوں کے معاشرے میں یہ نہ ہوتا کہ شادی کے ذکر سے احترام کی وجہ سے نہیں بلکہ
شرم کی وجہ سے پرہیز کیا جائے۔ اس کا نام آتے ہی آنکھیں نیچی ہو جائیں۔ محض اشاروں سے
کام لیا جانے لگے بلکہ اس کے متعلق بے تکلفی اور سادگی سے گفتگو ہوتی یا اگر گفتگو سے پرہیز کرنا
ہوتا تو وہ بھی سیدھے سادے طریقے سے کیا جاتا جیسا اس قسم کے اور رازوں میں ہوتا ہے اگر
شرم کی وجہ سے اس کا ذکر نہیں ہو سکتا تو آخر یہ فعل کیونکر ہوتا ہے؟ سچ پوچھئے تو یہ چیز پاک
بھی ہے اور ناپاک بھی اور دونوں باتیں جتنی ظاہر میں نظر آتی ہیں حقیقت میں اس سے کہیں
زیادہ ہیں۔

عام لوگوں کے ذہن میں جو تصور شادی کا ہے اس میں تھوڑا بہت حصہ حسی لذت کا
ضرور ہوتا ہے مگر دنیا میں ہر عاشق کا ایمان ہے کہ یہ تمام آلائشوں سے پاک ہے۔

اگر شادی خالص محبت کا نتیجہ ہے تو اس میں خواہش نفس کا شائبہ بھی نہیں ہوتا پاکدامنی
کوئی سلبی چیز نہیں بلکہ ثبوتی چیز ہے۔ یہ خاص طور پر ان لوگوں کی صفت ہے جن کی شادی ہوئی
ہے ان کے دلوں میں نفسانی خواہشوں اور ادنیٰ لذتوں کی جگہ اعلیٰ مسرتوں کا سکہ چلتا ہے
وہ لوگ جو برتر ہستیوں کی حیثیت سے ایک دوسرے سے ملتے ہیں فروتر مخلوق کے سے کام نہیں
کر سکتے۔ انسان کے تمام افعال میں وہ کام جو محبت کی راہ میں کیے جائیں عیب سے بری ہوتے
ہیں کیونکہ محبت کی بنا باہمی احترام پر ہوتی ہے اور عاشق معشوق ہمیشہ ایک دوسرے کو برتر
اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے پر آمادہ کرتے رہتے ہیں۔ جو کام یہ دونوں مل کر کریں اس کی پاکی
اور عمدگی کا کیا کہنا اس لیے کہ عصمت اور عفت کے برابر دنیا میں کوئی چیز نہیں محبت کے
رشتے میں ہمیں ایسے شخص سے واسطہ ہوتا ہے جس کی عزت اور حرمت جان و ایمان سے
بڑھ کر کرتے ہیں اور لازمی بات ہے کہ اس کے آگے ہمارا طرز عمل بلاتشبیہ ایسا ہوگا جیسا خدا
کے حضور میں ہوتا ہے عاشق کے دل میں جو رعب معشوق کی موجودگی میں ہوتا ہے کسی اور

کے سامنے نہیں ہو سکتا۔

لیکن اگر آپ محبت کی گرمی بھی اسی وجہ سے تلاش کریں جس سے کاہلی اور آرام طلب آدمی آگ کو ڈھونڈتے ہیں کہ آپ کے جسم کی حرارت سستی کی وجہ سے گھٹی ہوئی ہے تو گویا آپ تنزل کی راہ پر چل رہے ہیں اور روز بروز اور سست ہوتے جائیں گے اس سے تو سورج کی وہ ٹھنڈی دھوپ بہتر ہے جو برفستان سے منعکس ہو کر آ رہی ہو یا سرد وادیوں میں پڑ رہی ہو۔ آسمانی محبت کی گرمی سستی نہیں بلکہ چستی اور توانائی پیدا کرتی ہے۔ جسم میں حرارت پہنچانا ہو تو مفید ورزش سے پہنچائیے یہ نہیں کہ انگیٹھی کے پاس دبک رہے روح میں گرمی پیدا کرنا ہو تو اپنی قوت بازو سے بڑے بڑے کام انجام دیجئے یہ نہیں کہ پست ہمتی سے اپنے جیسے لوگوں کی ہمدردی کی لو لگائے بیٹھے ہیں انسان کا معاشرتی اور روحانی ضبط بھی جسمانی ورزش کے نمونے کا ہونا چاہیئے جس طرح وہ سخت بستر پر لیٹتا ہے اسی طرح اسے ایسے دوست کا سہارا لینا چاہیئے جس کا سینہ مضبوط ہو۔ جس طرح وہ ٹھنڈے پانی کے سوا کوئی چیز نہیں پیتا اسی طرح اسے میٹھے اور رنگین الفاظ نہ سننا چاہیئے بلکہ کھری اور سچی باتیں جن سے روح کو تازگی حاصل ہو اسے روز سچائی میں غسل کرنا چاہیئے جو چشمے کے پانی کی طرح سرد ہوتی ہے اور دوستوں کی ہمدردی سے حرارت پا کر گرم ہو جاتی ہے۔

بھلا عشق اور عیاشی میں کوئی مناسبت ہو سکتی ہے؟ ہمیں محبت اس طرح کرنا چاہیئے کہ ایک دوسرے کی آرزوئے وصل کو قبول نہ کرے بلکہ رد کر دے۔ محبت اور ہوس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ محبت نیکی ہے اور ہوس بدی اگر چاہنے والے اپنی فطرت کے اعلیٰ عناصر کے ذریعے سے باہم اتحاد پیدا کریں تو اس کا نام محبت ہے۔ مگر خطرے کی بات یہ ہے کہ وہ ادنیٰ عناصر کے ذریعے سے متحد ہوتے ہیں اور اس کا نام ہوس ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ خاص کر کے ایسا کریں بلکہ اکثر تو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ محبت کے قریبی تعلق میں ایک دوسرے کو آلودہ اور ناپاک کر دینے کا خوف ہے کیونکہ ہم اس پر

مجبور ہیں کہ جب گلے ملیں تو پھر پوری طرح ملیں۔

اگر ہمیں کسی عورت سے محبت ہے تو اتنی ہونا چاہیئے کہ اس کا خیال ہمارے دل میں صرف پاک اور مقدس خیالات کے ساتھ وابستہ ہو۔ جب اس میں خواہش نفس کا میل ہو گیا تو گویا ہم "وصل کی ہوس میں بلندی سے پستی میں اتر آئے" گو ہمیں اس کی خبر نہ ہو۔

عشق میں جہاں عیش کا رنگ آیا بس وہیں خطرہ پیدا ہو گیا۔ بات تو جب ہے کہ ہماری محبت میں جاں کشی اور سکت ہو۔ جیسی جاڑے کی صبح کو جسم میں ہوا کرتی ہے۔ ہر مذہب پاکدامنی کے اس نصب العین کی جھلک دکھاتا ہے جہاں میرے خیال میں انسان کبھی نہیں پہنچ سکتا ہو۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں مگر ایک دوسرے کو بلند نہیں کر سکتے وہ محبت جو ہماری موجودہ حالت پر قناعت کرکے ہمیں اور پست کر دیتی ہے ہمیں اپنے پاک سے پاک عشق میں بھی ہمیشہ چوکس رہنا چاہیئے کہ اس میں کوئی آلودگی نہ ہو خدا کرے ہم اس طرح محبت کریں کہ ہمیں کبھی پچتانا نہ پڑے۔

حسن کی لذت کی بدولت زبان نہ جانے کتنے معنی خیز رموز و اشارات کھو بیٹھی ہے پھولوں سے جن کا طلسم رنگ و بو پودوں کے عقد کا جشن مسرت ہے سچے عقد کا شگفتہ اور بے داغ حسن مراد لیا جاتا ہے جس کا وقت بہار عمر کے زمانے میں آتا ہے۔

کنوارپن ایک بن کھلی کلی ہے اور اس شادی سے جو ناپاک نیت سے کی جائے یہ کلی مرجھا کر گر جاتی ہے۔ جو شخص پھولوں سے شوق رکھتا ہے وہ دوشیزگی اور عفت کی بھی قدر کرتا ہے۔ عشق و ہوس میں زمین و آسمان کا فرق ہے جیسے پھولوں کے چمن اور قہوہ میں ہوتا ہے۔

ح۔ بیبرگ[۱] ...... ہیٹ[۲] جسے لینیس[۳] نے ترتیب دیا ہے لکھتے ہیں۔ "میں نے یہ

Linnaes. [2] Amoenitates Botancoe. [3] J. Biberg

ترجمہ لاطینی سے کیا ہے): ۔

"اعضائے تناسل جنھیں فطرت نے حیوانات میں عموماً پوشیدہ رکھا ہے گویا ان میں کوئی شرم کی بات ہو، نباتات میں بالکل کھلے ہوئے ہوتے ہیں جب پودوں کے عقد کا جشن منایا جاتا ہے تو دیکھنے والوں کا جی خوش ہو جاتا ہے اور وہ ان کے دلکش رنگوں اور جانفزا خوشبوؤں سے لطف اٹھاتے ہیں اسی کے ساتھ شہد کی مکھیاں دوسرے کیڑے ان کے شہد دانوں[1] سے شہد چوستے ہیں اور ان کے مرجھائے ہوئے زیرے[2] سے موم نکال لیتے ہیں" خود لینیس نے سندِ گل[3] کا نام "حجلۂ عروسی" اور چہرۂ[4] گل کا "پردہ دیوار" رکھا ہے اور اسی طرح پھول کے ہر حصے کی تفسیر کی ہے۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ خبیث روحیں پھولوں کو ناپاک کر دیں ان کی متاعِ رنگ و بو کو لوٹ لیں اور ان کے عقد کو شرم و رسوائی کا باعث بنا دیں؟ پہلے ہی سے ان میں بہت فرق ہو گیا ہے اور ایک پھول ایسا ہے جس کا عقد جون کے مہینے میں میدانوں میں سڑے مردے کی سی بدبو پھیلا دیتا ہے۔

مرد اور عورت کے تعلقات کا جو خواب میں نے دیکھا ہے وہ اس قدر خوشنما اور لطیف چیز ہے جس کا نقش حافظے میں باقی نہیں رہتا میرے دل میں اس کے متعلق کچھ خیالات آتے ہیں مگر آناً فاناً اس طرح غائب ہو جاتے ہیں جس کی کوئی مثال میرے تجربے میں نہیں تعجب تو یہ ہے کہ محبت کے ہوتے ہوئے لوگ معجزے وحی اور الہام کو قصۂ پارینہ سمجھتے ہیں

۱ه Nectary پھولوں یا پودوں کا وہ حصہ جس میں شہد ہوتا ہے

۲ه pollen

۳ه calyx

۴ه corolla

سچا عقد کسی طرح نور معرفت سے جدا نہیں حقیقت کے ادراک میں ہمیشہ ایک روحانی وجد ایک پر اسرار خوشی اور سرمستی کی کیفیت ہوتی ہے گویا ایک نوجوان اپنی پاکدامن دلہن کو ہم آغوش ہو رہا ہے سچے عقد کی انتہائی مسرتوں میں بھی بالکل یہی کیفیت پائی جاتی ہے پھر کیا تعجب ہو کہ ایسے اتحاد سے' مقصد کے طور پر نہیں بلکہ ضمنی طور پر' انسان کی لافانی نسل پیدا ہوتی ہے۔ عورت کا رحم سب سے زیادہ زرخیز زمین ہو۔

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا انسانوں کی نسل بہتر نہیں بنائی جا سکتی کیا ان کی نسل کسی مویشی کی طرح نہیں ہو سکتی۔ اس کا جواب یہ ہو کہ محبت کو آلائشوں سے پاک کر دو پھر سب کچھ خود بخود ہو جائے گا۔ اس طرح خالص محبت گویا دنیا کی تمام خرابیوں کا علاج ہو اولاد پیدا کرنے کا جواز صرف یہی ہو سکتا ہے کہ بہتر انسان پیدا کئے جائیں ایک ہی چیز بار بار پیدا کرنے کو فطرت حقارت سے دیکھتی ہو ہم صرف اپنی نسل کو قائم رکھتے ہیں مگر مردوں اور عورتوں کی اولاد کو ان سے بہتر ہونا چاہئیے جیسے ان کی آرزوئیں ان کی واقعی حالت سے بہتر ہوتی ہیں۔" وہ اپنے پھل سے پہچانے جائیں گے"